سوگوار
شباب

سوگوار شباب

(افسانہ)

مجنوں گورکھپوری

ایوانِ اشاعت گورکھپور

قیمت مجلد عا ر غیر مجلد عہ ر

نذرِ سحر

قبولِ دوست مگر نالۂ حزیں گردد

مجنوں گورکھپوری

"سعیِ نارسا"

(بر سبیلِ تمہید)

"بہ وصلِ لغزشِ پائے رسیدہ ام بیدل"
"بیا کہ دادرسِ سعیِ نارسا ایں جاست"

اس سے پہلے میرے افسانوں کے تین مجموعے شایع ہو چکے ہیں اور ہر مجموعہ کے سلسلہ میں بطور تمہید کے بھی میں نے کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ دیباچہ اور تمہید کی رسم اس قدر عام اور ضروری ہو گئی ہے کہ اب اگر کوئی کتاب بغیر تمہید کے شایع کی جاتی ہے تو لوگ اس کو کچھ نامکمل سی چیز سمجھتے ہیں۔ خود میرا یہ حال ہے کہ اگر کسی کتاب میں مقدمہ اور اشاریہ (INDEX) نہ ہو تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شروع اور آخر کے دو باب غائب ہیں۔

یہ تو ایک عام بات ہوئی۔ لیکن اس وقت میں دیباچہ نگاری سے پہلو بچا سکتا تھا، کیونکہ اس سے پہلے کئی بار ایسے ہی موقعوں پر اپنے افسانوں کے بارے میں بہت کچھ لکھ چکا ہوں۔ مگر چونکہ مجھے احساس ہے کہ اسوقت واقعی کچھ باتیں ہیں جو کہنے کے لائق ہیں اور جن کو میں کہنا چاہتا ہوں اسلئے یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں۔

میری فسانہ نگاری کے دور کو ختم ہوئے تقریباً دس برس ہو چکے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ دو چار افسانے میں نے ادھر بھی لکھے ہیں۔ لیکن میری زندگی کے جس دور کو واقعی افسانہ کا دور کہہ سکتے ہیں وہ ۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۲ء تک رہا، اس کو ختم ہوئے دس سال ہو رہے ہیں۔ میں نے جس وقت افسانہ لکھنا شروع کیا تھا اُس وقت افسانہ کو ایک جداگانہ صنفِ ادب کی حیثیت سے اردو ادب میں داخل ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اور افسانہ نگاروں کی تعداد گنتی کی تھی۔ ہر چند کہ میری اپنی طبیعت کا میلان ادب کے دوسرے اصناف کی طرف تھا لیکن کچھ تو اس لئے کہ میرے بعض احباب نے مجھے احساس دلایا کہ میں افسانہ نگاری کی صلاحیت رکھتا

ہوں اور کچھ اس لئے کہ خود مجھے یہ مغالطہ رہا کہ اگر میں افسانے لکھوں تو اپنی آواز کو زیادہ تعداد تک پہونچا سکوں گا اور عوام سے قریب رہ سکوں گا۔ میں نے بھی افسانے لکھنا شروع کئے۔ اُس وقت یہ احساس نہیں تھا کہ ہندوستان میں افسانے لکھے جائیں یا ٹھوس سے ٹھوس علمی مقالے۔ وہ بہرحال خواص ہی کی چیز رہیں گے۔ اس لئے کہ یہاں عوام تو نادر زادان پڑھ ہیں۔ اور جب سے اس تلخ حقیقت کا احساس مجھ پر چھایا ہے میں اپنے تمام ادبی ولولوں کو مُردہ اور بے جان پا رہا ہوں اور اسی نسبت سے میں خود مرا مرا سا رہنے لگا ہوں۔ اس لئے کہ غلط یا صحیح ہی ادبی اُپج میری ساری زندگی تھی اور میں اُن لوگوں میں سے ہوں جو ادب کو انسانی تہذیب کا سب سے زبردست اکتساب اور انسانی ذہن کا سب سے بڑا شاہکار سمجھتا ہوں۔

جس زمانے میں مجھے لکھنے کا سودا تھا میرے اندر صرف ایک جذبہ کام کر رہا تھا جو باقی تو اب بھی ہے مگر مجہول اور بے سکت ہے، وہ جذبہ یہ تھا کہ اُردو میں جلد سے جلد اور کثرت کے ساتھ ہر شعبۂ تحریر میں اس معیار کی چیزیں آجائیں جس معیار کی مغربی زبانوں میں بھری پڑی ہیں اور میں نے اپنی دانست میں تاحدِ مقدور یہی کیا ہے۔ میری خواہش یہی رہی ہے کہ کسی طرح طرزِ خیال اور اسالیبِ بیان میں اُردو ادب مغربی ادب سے قریب آجائے۔ میں جب کبھی ڈکنس، ڈاسٹفسکی، ہاتھارن، فلابیر، ٹولسٹائے، ٹورگنف، چیخوف، موپاساں، ہارڈی، ڈی ایچ، لارنس کے ناول پڑھتا تو پڑھ کر گھنٹوں بے چینی کے عالم میں ٹہلتا رہ جاتا؛ اور اُسی وقت سے یہ فکر گریباں گیر رہتی کہ کسی طرح ایسے ہی افسانے اُردو میں بھی آجائیں۔ اس زمانے میں مغرب کے یہی مصنفین ہندوستان کے مغربی تعلیم پائے ہوئے طبقہ میں سب سے زیادہ روشناس اور مقبول تھے۔

لیکن میں ترجموں کا کبھی بھی زیادہ قائل نہیں رہا۔ میں نے مغربی انشا پردازوں سے دوچار

ترجمے بھی کئے ہیں۔ لیکن میرا اصل میلان ترجمہ کی طرف کبھی نہیں رہا، اور مجھے اس کا احساس تھا کہ ہمارے ملک میں ہمارے اردگرد بھی ایسے واقعات و حالات موجود ہیں جن کو اگر انھیں مغربی افسانوں کو سامنے رکھ کر اور اُنھیں کو نمونہ بنا کر افسانہ کی صورت میں تبدیل کیا جائے تو اچھے افسانے تیار ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ میں نے جہاں بہت سے طبعزاد افسانے لکھے ہیں وہاں ایسے افسانوں کی تعداد بھی خاصی ہے جن کو لکھنے کی تحریک میرے اندر مغربی مشاہیر کے لکھے ہوئے افسانوں کو پڑھ کر پیدا ہوئی۔ اپنے دورِ افسانہ نگاری میں جن مغربی فسانہ نگاروں سے میں زیادہ مُتاثر ہوا وہ ڈاسٹفسکی ٹوسٹائے، تورگنیف، سولوگب، چیخوف، فلابیر، پروسٹ، موپاسان، سیگرڈ انڈسیٹ۔ طامس ہارڈی اور ڈی ایچ لارنس ہیں۔

میرے افسانوں میں کئی ایسے بھی ہیں جن کے ڈھانچے میں نے مغربی فسانہ نگاروں سے لئے ہیں۔ ان میں سے پانچ افسانے ایسے ہیں جن کے خاکے طامس ہارڈی کے ناولوں سے لئے گئے ہیں۔ انھیں افسانوں نے میرے متعلق ایک عام خیال یہ پیدا کر دیا ہے کہ مجھ پر ہارڈی کے اثر کا غلبہ ہے، اور میں ہارڈی کا مقلد ہوں۔ ہارڈی کوئی ایسا افسانہ نگار نہیں جس کی تقلید کرنا، یا جس سے متاثر ہونا کسی کے لئے باعثِ ننگ ہو۔ لیکن پھر بھی اس واقعہ کو تسلیم کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ مغرب کے جتنے مشاہیرِ ادب ہیں اُن سب سے میں ایک حد تک متاثر ہوا ہوں اور اُنکے اثرات اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کی ہے۔ اُن مشاہیر میں ایک ہارڈی بھی ہے۔

اس وقت جو افسانہ پیش کیا جا رہا ہے وہ ہارڈی ہی کے ایک ناول سے ماخوذ ہے، جس کا عنوان TWO ON A TOWER ہے۔ لیکن میں ہارڈی کا اس سے زیادہ ممنون نہیں ہوں کہ اُس کے ناولوں کو پڑھ کر میرے اندر تحریک پیدا ہوئی کہ اسی قسم کا پلاٹ مرتب کروں، اور

اسی اسلوب اور اسی فضا کا ایک افسانہ لکھوں - واقعات، مقامات، ماحول سب اپنے گردوپیش کی دُنیا سے لئے گئے ہیں - جس وقت میں نے ہارڈی کا ناول پڑھا، اور جب میں خود یہ افسانہ لکھ رہا تھا، اُس وقت جو مرکزی تصور میرے ذہن میں پیدا ہوا اور جو اثر میرے دل نے قبول کیا اُس نے مجھ کو مجبور کیا کہ میں افسانہ کا عنوان "سوگوارِ شباب" رکھوں - یہ افسانہ "ایوان" ۱۹۳۱ء میں مسلسل شائع ہوا تھا -

ہارڈی اور اُس کے افسانے اب مقبول نہیں - لیکن اب سے دس پندرہ سال پہلے ہارڈی کا مطالعہ نہ صرف رچے ہوئے ادبی ذوق کی علامت سمجھا جاتا تھا، بلکہ ترقی پسند اور انقلابی (غیر اصطلاحی معنوں میں) ہونے کا بھی ثبوت تھا - گزشتہ جنگِ عظیم کے اثرات میں سے ایک زبردست اور حیرتناک اثر یہ بھی ہے کہ اس کے بعد ہر دس سال کے بعد زندگی کا معیار انفرادی اور سماجی زندگی کے میلانات اور اخلاق و معاشرت کی قدریں (VALUES) تیزی کے ساتھ بدلتی رہی ہیں، اور دُنیا کچھ سے کچھ ہوتی رہی ہے - اور اسی نسبت سے ادبی دُنیا کے تصورات اور اصول میں انقلاب رونما ہوتے گئے ہیں - یہ ہونا تھا اور یہ ایک اچھی علامت ہے -

افسانہ کی تاریخ کو ہارڈی پر رُکنا نہیں تھا - ہارڈی کی باغیانہ قنوطیت دُنیائے ادب کی کوئی آخری انجیل نہیں تھی - وہ تو ہمارے ذہنی تغیرات کے سلسلہ کی صرف ایک کڑی ہے - اب نئی نسل آگے بڑھ گئی ہے اور اس کا زاویۂ نگاہ اور اس کے عقائد بدل گئے ہیں - اس لئے کہ اسکی ضرورتیں بدل گئی ہیں - اب ہارڈی کی قنوطیت اور اسکی رومانی ماورائیت (ROMANTIC TRANSCENDENTALISM) سے ہمارا کام نہیں چل سکتا - لیکن ہم کو یہ نہ بھولنا چاہئے کہ ہارڈی جدید افسانہ کا بانی اور رہنما ہے - اور خود اپنے زمانہ میں ترقی پسند اور باغی

سمجھا جاتا تھا۔ اسکے شہرۂ آفاق ناول TESS OF DURBERVILLES نے سماج کے ضمیر میں تشنج پیدا کر دیا تھا اور سب لوگ ہارڈی کو مروجہ ہیئت اجتماعی کے لئے خطرہ سمجھتے تھے۔ اور اس کا دوسرا مشہور ناول JUDE THE OBSCURE تو گویا ایک باضابطہ پروپیگنڈا ہے۔ مروجہ تصورات کے خلاف مشہور اشتراکی ادیب رالف فاکس نے تین ناولوں کو ملکۂ وکٹوریہ کے عہد حکومت کی سب سے بڑی کتابیں مانا ہے اور تینوں کو اس نے "دکھ بھری چیخیں" کہا ہے۔ ان میں ہارڈی کا ناول JUDE THE OBSCURE بھی ہے۔ رالف فاکس کا خیال بہت صحیح ہے۔ یہ تینوں ناول انگریزی دماغ کی شہادتیں ہیں کہ جس سماج کی بنیاد سرمایہ داری پر ہو اُس میں صحیح اور مکمل انسانی زندگی ناقابلِ حصول ہے۔ ہارڈی کے ناولوں میں پُرانے نظام کی نہایت جارحانہ تنقید ملتی ہے اور نئے سماجی تصورات کا خمیر اُٹھتا ہوا معلوم ہوتا ہے ہارڈی کی سب سے بڑی کمزوری ہمارے خیال میں یہ ہے کہ وہ ایک ماورائی قوت کا قائل ہے جس کو وہ تقدیر کہتا ہے۔ تقدیر یعنی ایک ناقابل تردید قوت کے ہم بھی قائل ہیں جس کو "مارکسی" اصطلاح میں تاریخی یا جدلیاتی مادیت کہتے ہیں۔ فرق یہ ہے اور یہ بہت بڑا فرق ہے جو ہماری ترقی کی علامت بھی ہے اور اس کا ضامن بھی کہ ہم اس تاریخی قوت کو سراپا خیر و برکت مانتے ہیں، اور ہارڈی کی تقدیر ایک شریر اور منحوس قوت ہے جس نے اس کو قنوطیت کے ریگستان میں لاکر چھوڑ دیا۔ لیکن اگر ہم ہر چیز کو اُسکے تاریخی مقام پر رہنے دیں تو ہم کو اسکے متعلق کبھی کوئی مغالطہ نہیں ہو سکتا۔ اور اسکی صحیح قدر متعین کرنے میں ہم کبھی دھوکا نہیں کھا سکتے۔

۵؎ شارلٹ برانٹی کا ناول "وورنگ ہائٹس"۔ سیموئیل بٹلر کا "دی وے آف آل فلیش"۔ اور طامس ہارڈی کا "جوڈ دی آبسکیور"

میں نے اب تک جتنے افسانے لکھے ہیں ان کو مجموعی طور پر "رومانی افسانہ" کہا جا سکتا ہے اور جہاں تک پلاٹ کا تعلق ہے، وہ سب انسان کی زندگی کے ایک مخصوص رُخ سے واسطہ رکھتے ہیں جس کو عشق و محبت کے پراسرار اور مرعوب کرنے والے نام سے یاد کیا جاتا ہے لیکن جس کو سیدھی سادی انسانی زبان میں "جذبہ جنسی" کہتے ہیں۔ میں نے زندگی کے اس رُخ کو کیوں منتخب کیا؟ سب سے پہلے تو اس لئے کہ یہ وہ جذبہ ہے جو دورِ بہیمیت سے لیکر تمدن و عمرانیت کے موجودہ دور تک انسان پر یکساں مسلط رہا ہے اور انسان نے اس کا ایک مقدس بُت بنا رکھا ہے جس کو توڑنے کی ضرورت ہے میرے افسانوں میں اور کچھ ملے یا نہ ملے اس سے شاید انکار نہ کیا جا سکے کہ جس "زنگی" کا رنگ "کافوری" بتایا جا رہا تھا اس کو اسکے اصلی رنگ میں بے نقاب کرنے کی میں نے مسلسل کوشش کی ہے، اور عشق و وفا کے غلط مگر راسخ تصور کا پردہ جس قدر فاش کر سکتا تھا میں نے کیا ہے۔ چنانچہ نیاز صاحب کا خیال ہے کہ میرے افسانے انسان سے عشق و محبت کا حوصلہ چھین لیتے ہیں۔ اس کا سبب شاید یہی ہے کہ میرے افسانوں میں عشق و محبت کے بلند آہنگ دعوے آخر میں ایک ایسے جذبہ کے تقاضے ثابت ہوتے ہیں جو بھوک پیاس کی طرح معمولی اور عام ہے جو اُبھرتا ہے اور آسودگی کے بعد فرو ہو جاتا ہے اور جو ایک مرکز کو چھوڑ کر اپنی خاطر خواہ آسودگی کے لئے دوسرے مرکز کی طرف مائل ہو سکتا ہے۔

دوسرا سبب میرے اس مخصوص انداز کے افسانے لکھنے کا یہ تھا کہ جس زمانے میں میں افسانہ لکھ رہا تھا اُس زمانہ میں سوا پریم چند کے بیشتر لکھنے والے رومانی افسانے لکھ رہے تھے اور رومانی ہی افسانہ کی مانگ تھی۔ مجھے یہ احساس ہوا کہ اگر عشق و رومان میں حل کر کے چند تلخ حقیقتوں کو پیش کیا جائے تو شاید حلق کے نیچے اُتر جائیں اور "کام و دہن" کی لذت ان کو محسوس نہ ہونے دے۔ بالکل اسی طرح جس طرح شکر میں لپٹی ہوئی کونین تلخ نہیں معلوم ہوتی۔ افسانوں کو کھلا ہوا پروپگنڈا بنانا تو کبھی بھی

میرا مقصد نہیں رہا۔ لیکن مذہب، اخلاق، معاشرت سماج کے بہت سے مروجہ روایتی تصورات اور
مفروضات مجھے جھوٹے اور انسانیت کے دامن پر غلیظ داغ معلوم ہوتے تھے۔ میں بچپن سے ان واہی
اور روایتی تصورات کو انسانی ترقی کے راستہ میں رکاوٹیں سمجھتا تھا، اور میری طبیعت کو ان سے
شدید بغاوت تھی۔ یہ بغاوت جابجا میرے افسانوں میں ظاہر ہوتی رہی ہے۔ مذہب، اخلاق اور
سماج کے قائم کئے ہوئے بتوں کو توڑنے کی اپنی سکت بھر میں نے پوری کوشش کی ہے۔ میں اس
کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس کا صحیح اندازہ میں نہیں کر سکتا۔ ممکن ہے سوا جلے ہوئے
پھپھولے پھوڑنے کے اور کچھ نہ کر سکا ہوں۔ پھر بھی میں اتنا جانتا ہوں کہ جو لوگ میرے افسانوں کو پسند
کرتے ہیں ان میں بھی بیشتر کو یہ شکایت ہے کہ میں مذہب و اخلاق کے مقررہ آئین کی پروا نہیں کرتا اور
مروجہ معاشرتی نظام اور سماجی معیار کو بری طرح صدمے پہونچاتا ہوں۔

غرضکہ میں نے اپنی بغاوت اور انحراف کے جراثیم کو رومانیت کی صورت میں پیش کیا کیونکہ بقول حالی:

اہلِ بینش کو ہے لازم سخن آرائی بھی
بزم میں اہلِ نظر بھی ہیں تماشائی بھی

اور باوجود اسکے کہ گزشتہ دس پندرہ سال میں طرح طرح کے نئے میلانات پیدا ہو چکے ہیں اور نئی قوتیں
بروئے کار آرہی ہیں۔ یہ رومانیت کا میلان نئی نسل کا بھی دامن پکڑے ہوئے ہے۔ حالانکہ فی الحال
کچھ مدت کے لئے نئی زندگی کی تعمیر کے دوران میں اسکی گنجایش نہیں۔

میں اب افسانے نہیں لکھتا۔ ممکن ہے آئندہ پھر کبھی اسکی فرصت اور توفیق ہو۔ اس وقت
میں جو کچھ لکھتا ہوں اس کا تعلق برے بھلے تنقیدی ادب سے ہے۔ میری آرزو اور کوشش یہ
ہوتی ہے کہ اردو تنقید میں جدید ترین اصول اور میلانات آجائیں اور اردو کے انشا پرداز اور

پڑھنے والے دونوں ان سے مانوس ہو جائیں تاکہ آئندہ جو کچھ لکھا جائے وہ نئی زندگی کے نئے امکانات کا حامل ہو۔ اردو افسانوں میں جو کمی بُری طرح محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اردو شاعری کی طرح یہ بھی اب تک سماجی شعور سے یک قلم خالی ہے۔ اب اسکی ضرورت ہے کہ اردو افسانے میں یہ شعور پیدا کیا جائے اور نئی زندگی کی تعمیر میں اس سے کام لیا جائے۔ کچھ لکھنے والے اس طرف پیدا ہو رہے ہیں۔ مگر ان میں بیشتر ایسے ہیں جن کے افسانوں سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ کس سمت جانا چاہتے ہیں اور ہم کو کہاں لئے جا رہے ہیں۔ یہ تذبذب اور کشاکش شاید موجودہ بحرانی دور کا نتیجہ ہے جو عارضی ہے۔ بہر حال یہی کیا کم ہے کہ ہمارے فسانہ نگاروں کو بدلتی ہوئی دنیا اور اُسکے بدلتے ہوئے معیار کا احساس ہے۔ اور وہ اپنے افسانوں میں نئی قدروں اور نئے میلانات و امکانات کی طرف اشارہ کرنے لگے ہیں جو یقیناً اُمید افزا علامت ہے اور آئندہ ترقی کی ضمانت۔

امام باڑہ، گورکھپور
۲۶ مارچ ۱۹۴۱ء

مجنوں

سوگوار شباب

(۱)

کنور کوٹ اب تک صرف جنگلی اور ویرانہ گزیں جانوروں کی جائے پناہ تھی۔ جاہل اور عناصر پرست دہقانیوں کے خیال میں وہ بھوت پریت کا بھی مسکن تھا۔ اور اسمیں شک نہیں کہ موقع ومحل اور وضع کے اعتبار سے کنور کوٹ کچھ اسی قسم کی چیز معلوم ہوتی تھی جس کو دُنیائے انسانیت سے کوئی سروکار نہیں۔ ہر طرف کئی بیگھہ ڈھاک اور ببول کے جنگل، جگہ جگہ آمی ندی سے نکلے ہوئے نالے جو گھوم پھر کے پھر اپنے مخرج میں مل جاتے تھے اور جنکی وجہ سے قرب جوار کا راستہ برسات کے موسم میں دُشوار گزار ہوجاتا تھا۔ دور تک زمین ریتیلی اور بنجر تھی اور کوئی کاشت نہ ہوتی تھی۔ بیچ میں ایک بلند اور وسیع ٹیلہ تھا جس پر وہ بوسیدہ اور شکستہ رنگ عمارت کھڑی تھی جو کنور کوٹ کے نام سے مشہور تھی، اور جس کے ٹوٹے پھوٹے در و دیوار اور مٹے ہوئے نقش و نگار پکار پکار کر فریاد کرتے رہتے کہ اب کوئی اسکا پوچھنے والا نہیں رہا۔ مؤرخین نے کبھی اسطرف توجہ نہیں کی اور اس عجیب و غریب عمارت کی صحیح تاریخ ہمکو نہیں معلوم۔ لیکن عوام میں جو روایت سینہ بسینہ چلی آئی ہے وہ یہ ہے کہ سیکڑوں برس ہوئے اس جوار میں کوئی ہندو راجہ تھا اور یہ کنور کوٹ اُسی کا دھرہرہ تھا۔ جب

مسلمانوں کا راج ہوا تو کنور کوٹ کی عمارت یہاں کے چکلہ داروں کے قبضہ میں آئی اور ہر چکلہ دار نے اپنی ضرورت کے مطابق اسمیں مرمت و اضافہ کیا۔ مگر اسمیں کبھی مستقل بود و باش نہیں رہی صرف سیر و تفریح کیلئے اور بالخصوص بارش کے موسم میں باڑھ کا سماں دیکھنے لوگ یہاں آتے تھے۔ کوئی ڈیڑھ سو برس سے کنور کوٹ چودھریوں کی ملکیت چلی آرہی تھی اور اب وہ چودھری محمد حاتم کے علاقہ میں شامل تھی۔ قصہ مختصر:-

ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت
رفت و منزل بدیگرے پرداخت

کئی پشت سے کنور کوٹ کی مرمت یا دیکھ بھال نہیں ہو رہی تھی اور اُسکو محض اگلے زمانے کی یادگار سمجھ کر چھوڑ دیا گیا تھا۔

جس وقت سائرہ کے پاس مشتاق کی یہ درخواست پہونچی ہے کہ کنور کوٹ اُسکو کرایہ پر دی جائے تاکہ وہ اسکو دار المطالعہ بنائے تو نہ صرف سائرہ کو حیرت ہوئی بلکہ جس نے سُنا اُسنے مشتاق کو خبطی اور مراقی سمجھا۔ لیکن بار بار مشتاق کی درخواست نے سائرہ کو مجبور کر دیا اور اسنے آخر کار کہدیا کہ اچھا فی الحال مشتاق کی اگر خواہش ہے تو وہ کنور کوٹ میں رہیں، پھر بعد کو غور کر کے اُسکا کرایہ طے کر لیا جائیگا اور معاملہ کو معاملہ کی صورت دیدی جائیگی۔ مشتاق نے اتنا کہنا کافی سمجھا اور کنور کوٹ کو صاف کر کے اپنا کتب خانہ بنا لیا

(۲)

سائرہ اُن بدبخت عورتوں میں تھی جو ہر طرح کی نعمت اور سامان عیش کے ہتے ہوئے راحت

اور سکون کی زندگی سے محروم رہتی ہیں اور جن کا دل صرف دکھنے کے لئے بنایا جاتا ہے۔

نازوں کی پالی سائرہ آٹھ برس سے شوہر کے جیتے جی ایک بیوہ کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ وہ سندیلہ کے ایک اونچے اور مہذب گھرانے کی لڑکی تھی۔ پندرہ سال کی عمر تک تو وہ اسکی خوگر تھی کہ اگر اسکی ایک انگلی دکھ جائے تو سارے گھر کا دل دکھنے لگے۔ جس لاڈ پیار کیساتھ ماں باپ نے اسکی پرورش کی تھی اُس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ زندگی کے تاریک پہلو سے بیخبر رہتی اور رنج و مصیبت کو بےمعنی الفاظ سمجھتی۔ مگر قسمت کا پھیر، سائرہ کی شادی ہوئی جہانیاں جہاں گشت، وارستہ مزاج، اوباش صفت حاتم کے ساتھ۔ حاتم نے دورانِ سیاحت میں نہ جانے کیسے سائرہ کی صورت کا چرچا سُن لیا تھا اور سائرہ کے والدین کے پاس پیغامِ نکاح بھیجدیا تھا۔ گھر کا رئیس تھا، دور دور کے شہروں میں رسوخ رکھتا تھا، تعلیم یافتہ تھا، صورت شکل میں کچھ برا نہ تھا، پھر اور کیا چاہیئے۔ سائرہ کے والدین نے حاتم کو اپنی دامادی میں لے لیا۔ لیکن بہت جلد بیچاروں کو پچھتانا پڑا۔ حاتم اپنی افتادِ طبیعت کو کیا کرتا، وہ کبھی کسی کا پابند ہو کر نہیں رہ سکتا تھا۔ تین سال بڑی مشکل سے اُس نے سائرہ کی صحبت میں گزارے اور اس درمیان میں بھی اُسکا برتاؤ سائرہ کیساتھ کچھ بہت دل بڑھانیوالا نہ تھا۔

تین سال کے بعد حاتم صرف پندرہ روز کے لئے لکھنؤ گیا اور پھر گھر واپس نہ آیا۔ آٹھ برس ہو گئے اور حاتم کا ٹھیک پتہ نہ لگا۔ کبھی سُننے میں آتا کہ بمبئی میں ہے، کبھی خبر آتی کہ بنگال میں گھر بسا کر بیٹھ رہا ہے۔ کوئی ایک سال سے خبر اُڑ رہی تھی کہ حاتم تبت میں ہے۔ قسمت کی ماری سائرہ

سب کچھ سُنتی تھی اور کلیجہ مسوس کر رہ جاتی تھی۔ وہ بڑے ضبط و تحمل کی عورت تھی اور اپنے دل کی جراحتوں کو کبھی رُسوا نہیں ہونے دیتی تھی۔

سائرہ کی زندگی میں کوئی دلچسپی کا سامان نہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اولاد ماں باپ کا غم غلط کرتے ہیں مگر حرماں نصیب سائرہ کی گود بھی خالی رہی۔ اب اسکے صرف دو مشغلے تھے، اور وہ بھی زبردستی کے۔ دن بھر سائرہ جائداد کے انتظام میں مصروف رہتی تھی اور رات کے وقت کتابیں پڑھا کرتی تھی۔ وہ پڑھی لکھی عورت تھی اور کتب بینی کا شوق بچپن سے تھا۔ اسکو زیادہ تر تواریخ اور سوانح سے دلچسپی تھی۔

حاتم نے اتنی حق شناسی اور انصاف سے کام لیا تھا کہ سائرہ کو بے یار و مددگار چھوڑنے سے قبل اپنی ساری جائداد سائرہ کے نام ہبہ کر دی تھی اور یہ جائداد کوئی معمولی جائداد نہ تھی۔ چودھریوں کا خاندان ضلع بستی کے پُرانے متموّل خاندانوں میں سے تھا۔ غدر کے بعد یہ خاندان کئی گھرانوں میں تقسیم ہو گیا تھا اور جائداد بھی تکا بوٹی ہو گئی تھی۔ پھر بھی ان کا کوئی گھرانا ایسا نہ تھا جو روٹی کپڑے سے خوشحال نہ ہو۔ ان میں سب سے غریب مشتاق تھا جسکی آمدنی کوئی ساٹھ روپئے ماہوار کی تھی اور کفایت کے ساتھ سفید پوشی میں بسر ہو جاتی تھی۔

چودھریوں میں دو سب سے زیادہ سربرآوردہ اور امیر خاندان تھے۔ ایک تو محمد حاتم اور دوسرا محمد کریم۔ ان کا حکام پر بڑا اثر تھا اور اطراف کے زمینداروں میں بھی انکی بڑی عزت اور تعظیم ہوتی تھی۔

سائرہ اپنی جائداد کی دیکھ بھال بڑی ہوشمندی اور حُسن تدبیر کے ساتھ کرتی تھی، اور اس کے

انتظام میں اُن خرابیوں کا نام بھی نہ تھا جو مرد کے نہ ہونے سے واقع ہو جایا کرتی ہیں۔ وہ بڑی سوجھ بوجھ کی عورت تھی جس سلیقہ اور خوش اسلوبی کے ساتھ وہ اتنی بڑی جائداد کا انتظام سنبھالے ہوئے تھی، جس طرح سوچ سمجھ کر وہ اپنے کاروبار میں اپنے منشی کو ہدایتیں دیتی تھی اور جس فراست کیساتھ وہ اپنے اسامیوں کے جھگڑے چکاتی تھی اس سے ثابت ہوتا تھا کہ عورتوں کو ناقص العقل اور مجہول الوجود سمجھنا مرد کی کوتاہ فہمی نہیں تو کم بینی اور تعصب ضرور ہے۔ سائرہ کو آپ دیکھ لیتے تو عورت کی "مردانگی" کے قائل ہو جاتے اور آپ کو یقین ہو جاتا کہ کسی رضیہ کا راج کرنا یا کسی ژون کا میدانِ کارزار میں کمانداری کرنا کوئی معجزہ نہ تھا۔

صورت میں بھی سائرہ دس بیس نہیں سیکڑوں کو مات کرتی تھی۔ وہ اپنے نام سے بھی زیادہ لطیف و جمیل تھی۔ اسکی عمر چھبیس سال کی تھی۔ اس عمر میں ہندوستان کی عورتوں کا شباب عموماً اُتر جاتا ہے۔ اور پھر سائرہ آٹھ برس سے جس سوگ میں مبتلا تھی وہ اسکو وقت سے پہلے بڈّھا کر دینے کیلئے کافی تھا۔ مگر یہ بھی اُسکی شامت کہ زمانہ کی ناسازگاریاں اُسکے چہرے پر ایک شکن بھی نہ ڈال سکی تھیں۔ اور وہ ابھی ایک نوشگفتہ کلی معلوم ہوتی تھی۔ جو لوگ اُسکو نہیں جانتے تھے وہ اسکی عمر کا اندازہ لگانے میں دھوکا کھا جاتے اور اُس کو کسی طرح اُنیس سال سے زیادہ کی عورت نہ بتلاتے۔

سائرہ کا یونانی حُسن واقعی ایسا تھا جو زاہدوں کو جُبّہ و دستار اور بادشاہوں کو تاج و تخت کی طرف سے بے نیاز کر سکتا تھا، اُسکے رنگ اور چہرے کی تراش میں صبحِ صادق کی تاثیر تھی جو دیکھنے والوں کے

دلوں میں سکون اور ٹھنڈک پیدا کرتی تھی۔ آنکھوں اور ہونٹوں میں ایک سنجیدہ مستی تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ گہرے جذبات کی عورت ہے مگر خاکسار نہیں ہے۔ اسکی چال میں معشوقانہ انداز کے ساتھ ساتھ ایک وقار تھا جس سے اسکی گدازگی کا پتہ لگایا جاسکتا تھا۔ غرضکہ سائرہ اُن تمام رعنائیوں اور دلربائیوں کا مجسمہ تھی جن کے بل بوتے پر عورت دل کی دنیا میں راج کرتی ہے لیکن یہ ساری دلربائیاں کس کام کی؟ یہ جوانی اور جوانی کی رعنائیاں کیا ہوں؟ سائرہ تو اُس پھول کے مانند تھی جو جنگل میں کھلتا ہے اور اپنی ساری دل آویزیاں لئے ہوئے اُسی جگہ خاک میں مل جاتا ہے جس کو "زیبِ گلو" یا "زینتِ دستار" ہونا تو درکنار کسی کی ٹوٹی ہوئی تربت پر چڑھنا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ سائرہ نامراد تھی۔ جوانی کی لذتوں سے وہ محروم تھی، اُسکی جوانی مٹی ہو رہی تھی۔

دیہاتوں میں یوں بھی پردہ "صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں" کا مصداق ہوتا ہے جس کو عامیانہ استعارہ میں "کانا پردہ" کہتے ہیں لیکن سائرہ اپنی ضرورتوں سے مجبور ہو کر کچھ اور زیادہ بے پردہ رہتی تھی۔ کھلے خزانے تو وہ بھی باہر نہیں نکلتی تھی۔ لیکن گاؤں والوں میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے اسکو نہ دیکھا ہو اور اپنے ملازموں سے تو وہ باتیں بھی کرتی تھی۔ مہینہ میں دس دن سائرہ دورہ میں گزارتی تھی اور اپنے ہر گاؤں میں گھومتی پھرتی تھی۔ اس طرح ایک تو ایام کی تلخیاں کچھ گھٹ جاتی تھیں۔ دوسرے علاقہ کے انتظام میں کوئی خرابی نہیں پیدا ہونے پاتی تھی۔ اگر سائرہ ضرورت سے زیادہ پردہ کو راہ دیتی تو یقیناً لٹ جاتی۔ برادری والے اس سے صرف اس لئے جلتے تھے کہ وہ غیر کفو

کی ہے اور ایسی خوش سلیقہ اور مُدبر ہے، کوئی ایسا نہ تھا جو آن کیسی میں اُسکے کام آتا اور اُسکے معاملات کی نگرانی کرتا۔

سائرہ میں زمینداری کا خداداد ملکہ تھا، وہ اپنے ایک ایک کھیت اور ایک ایک درخت کو جانتی تھی کہ کہاں ہے اور اُس سے کیا آمدنی ہے۔ روز شام کو وہ اپنی خیر خواہ اور وفادار ما کلثوم کو لیکر پالکی یا بہلی میں سیر کو نکلتی تھی اور کھیتوں اور باغوں کا معائنہ کرتی تھی۔ ابتک اگر اُس نے اپنی کسی چیز کو نہیں دیکھا تھا تو وہ کنور کوٹ تھی جسکو وہ جانتی تھی کہ نہ تو کسی فائدہ کی چیز ہے اور نہ دلچسپی کی۔ مشتاق نے جب سے اسکو دارالمطالعہ بنانے کی درخواست کی اسوقت سے سائرہ کو بھی کنور کوٹ دیکھ لینے کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ اُس نے ابتک مشتاق کو بھی نہیں دیکھا تھا، حالانکہ وہ اپنا عزیز ہوتا تھا۔ سائرہ نے مشتاق کو کئی بار بلا بھیجا مگر وہ نہیں آیا۔ مشتاق اول تو طبعاً شرمیلا تھا۔ دوسرے مرتبہ کے لحاظ سے سائرہ اور اُسکے درمیان اتنا فرق تھا کہ وہ سائرہ سے ملتے ہوئے ہچکچاتا تھا۔ سائرہ تعلقدار کی بیوی تھی اور وہ ایک متوسط الحال معمولی انسان، خاک کو آسمان سے کیا نسبت؟ سائرہ اُس کو کیوں بُلائے؟ اور وہ سائرہ سے ملنے کیوں جائے؟

(۳)

تحصیل خلیل آباد سے پکی سڑک تھامے ہوئے سیدھے اُتر کی طرف اگر کوئی چلے تو آمی ندی پار کرنے کے بعد کوئی ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ایک ضلع ملے گا جس کا نام آصف پور ہے اور جو گرد و نواح میں

بڑی شہرت رکھتا ہے۔ یہ موضع سڑک کے کنارے واقع ہے اور چودھری خاندان کی قلمرو ہے۔ اب سے کوئی تیس برس پہلے یہاں سائرہ کا سکہ چلتا تھا۔ اور اب!........ مگر اب سے ہمکو کیا سروکار؟ زید، عمرو، بکر کوئی ہوگا۔

سائرہ کا مستقل قیام آصف پور میں تھا جس مکان میں وہ رہتی تھی وہ کوئی معمولی مکان نہ تھا، اچھا خاصا محل تھا۔ دیہات و قصبات تو ایک طرف شہروں میں بھی اتنی شاندار اور وسیع عمارتیں گنتی کی نظر آئیں گی۔ یہ عمارت حاتم کی بنوائی ہوئی تھی اور اسکے ذوقِ حسن اور حسِ تناسب کا پتہ دیتی تھی۔ اس نے اپنے مزاج و طبیعت کی مناسبت سے اس مکان کا نام "حاتم سرا" رکھا تھا۔ اس نام سے حاتم کی طبیعت اور عادت کا بہت کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ وہ سیلانی تھا اور آوارہ و بے خانماں پھرنے میں اسکو بڑا مزہ ملتا تھا۔ لیکن اسکے علاوہ وہ اور بھی بہت کچھ تھا۔ آس پاس میں وہ بڑا دین داتا مشہور تھا اور لوگ اسکو اسم بامسمّٰی کہتے تھے۔ بہت کم دن ایسے گزرتے تھے کہ حاتم گھر پر رہتا ہو اور اس کا دسترخوان کسی پردیسی مہمان سے خالی رہتا ہو۔ غرضکہ حاتم بڑی خوبیوں کا آدمی تھا لیکن ہمارے افسانے کے لئے اسکی جو خصوصیت سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے وہ اسکی وارستہ مزاجی ہے، اس لئے کہ اسی نے سائرہ کی اٹھتی جوانی خاک میں ملا دی تھی۔

سائرہ نے بہت زور لگایا کہ حاتم اسکے ساتھ گھر یلو زندگی بسر کرنے لگے اور اپنی آوارہ گردی کو چھوڑ کر سائرہ جیسی لکشمی سے گھر بسا کر اطمینان اور آسودگی کے ساتھ اپنا وقت گزارے لیکن حاتم اپنی

حاتم اپنی فطرت سے مجبور تھا۔ وہ جب تک سائرہ کے ساتھ تھا سائرہ کے ساتھ نباہتا رہا، اور جب اُس سے جُدا ہوا تو اُس کو اس طرح بھولا کہ پھر کبھی بھول کر بھی نہیں یاد کیا۔ مجبور و محروم سائرہ اپنی قسمت پر صبر و شکر کر کے بیٹھ رہی، مگر دن اور سن کے تقاضے کو کیا کرتی، جوانی کی شورشیں گو دب کر رہ گئی تھیں مگر باقی تھیں۔ جوانی کا سب سے بڑا کام دل لگانا ہوتا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ سائرہ اس کوچہ میں ابھی بالکل ناتجربہ کار تھی، دل لگانے کا ذوق ابھی بدستور باقی تھا۔ سائرہ تعلیم یافتہ اور مہذب تھی اور ہر کس و ناکس سے دل لگا بھی نہیں سکتی تھی۔ حاتم اگر اسکی سحر آفرینیوں سے رام ہو جاتا تو شاید یہ ذوق پورا ہو جاتا۔ مگر یہ بھی نہیں ہوا۔ سائرہ عشق و محبت کو ترستی رہی حسین اور جوان ہو کر عشق و محبت کو ترسنا زمانہ کی سب سے بڑی ناہنجاری ہے۔

نہ زخمِ خار کشیدم نہ روئے گل دیدم
زعندلیب شنیدم کہ نوبہارے ہست

سائرہ اپنے کو جوان صرف اس لئے سمجھ رہی تھی کہ اُسکی ہم سن عورتیں جوان سمجھی جا رہی تھیں۔

(۴)

ساون کی جھڑی کئی دن سے لگی ہوئی تھی، کنور کوٹ کے چاروں طرف جل تھل تھا۔ اکثر مقامات پر پختہ سڑکیں زیر آب ہو گئی تھیں، جدھر نظر اُٹھ جاتی تھی منظر ہولناک تھا۔ راستے دُشوار گزار ہو رہے تھے، نہ جانے لوگوں کے کتنے کام صرف موسم کی وجہ سے رُکے ہوئے تھے۔

لیکن کاروبار کی غیر دلچسپ دُنیا سے الگ ہو کر یہ موسم بصیرت انگیز اور ولولہ خیز تھا۔ آسمان کی مکدر فضا زمین کی کثرت بالیدگی، قدم قدم پر حشرات الارض کا زور، ہر لمحہ برساتی مینڈکوں اور جھینگروں کا شور، یہ سب وہ باتیں ہیں جو ایک طرف اگر فطرت کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے سامانِ بصیرت فراہم کرتے ہیں تو دوسری طرف ان طبیعتوں میں جذباتی اُبھار بھی زیادہ پیدا کر دیتے ہیں جو اپنے اندر فطرتاً عشق و محبت کی تڑپ رکھتے ہیں۔

مُشتاق آجکل اپنے اوقات کا بیشتر حصہ کنور کوٹ ہی میں بسر کرتا تھا۔ صبح شام دو وقت گھر جا کر ہو آتا تھا، جو کنور کوٹ سے کوئی ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر موضع نوانگر میں واقع تھا۔ مشتاق نوانگر صرف اس لئے جاتا تھا کہ اپنی بوڑھی نانی اور اپنی خالہ زاد بہن زینب سے مل آئے۔ یہ لوگ اُسکی دل و جان سے محبت کرتے تھے۔ اگر وہ ان کی محبت اور جاں نثاری کا خیال نہ کرتا تو ان دونوں کو بڑا صدمہ ہوتا۔ مشتاق اُن لوگوں میں سے تھا جو کسی کی دل شکنی کسی حالت میں روا نہیں رکھتے۔

کنور کوٹ ایک اُجڑی ہوئی منزل تھی لیکن چند ہی دنوں میں مشتاق نے اپنے ذوق اور سلیقہ کے مطابق اسکو صاف کر کے سادگی کے ساتھ آراستہ کر لیا تھا۔ مشتاق اپنے ایک خدمتگار کے ساتھ دن رات یہیں رہتا تھا۔ صبح شام کا ناشتہ اُس کا خدمتگار پکا لیتا تھا۔ اور دونوں وقت کھانا نوانگر سے پک کر آتا تھا۔

ایف۔اے تک پڑھنے کے بعد مشتاق کو سلسلہ تعلیم توڑ دینا پڑا تھا۔ اُس کا باپ مر گیا تھا اور اب اُسکے پاس سوا اسکے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ اپنی مختصر زمینداری کی دیکھ بھال خود کرے۔ لیکن وہ اپنی فطرت کو کیا کرتا۔ علم و ادب کا ذوق اسکے اندر خداداد تھا اور زمانے کی نیرنگی نے اُسکو مجبور کر دیا تھا کہ وہ اپنے دُنیوی معاملات میں مشغول رہے۔ اُس نے جس حسن اسلوب سے ان دو متضاد باتوں میں ہم آہنگی پیدا کر لی تھی وہ کچھ اسی کا کام تھا۔ صبح سے شام تک وہ کنور کوٹ میں کتابوں سے گھرا ہوا بیٹھا رہتا تھا، لیکن اسی کے ساتھ اپنی زمینداری کے کام کو بھی سنبھالے ہوئے تھا، اور اُسکے کاروبار میں کسی قسم کی خرابی نہیں پیدا ہونے پائی تھی۔

کئی دن کے بعد آج شام کو بارش کا تار ٹوٹا تھا اور دیر تک ٹوٹا رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان کا سارا عرق کھنچکر صرف ہو چکا ہے اور اب اس میں برسنے کی تاب باقی نہیں ہے۔ سات بج چکے تھے۔ مشتاق ابھی تو انگر سے واپس آیا تھا اور کپڑے بدل رہا تھا اس لئے کہ راستہ میں پانی اور کیچڑ نے سر سے پاؤں تک اُسکے کپڑوں کو گندہ کر دیا تھا۔ اتنے میں اُس نے دور سے دیکھا کہ چار کہار ایک پالکی لئے ہوئے گھٹنوں تک پانی میں سے ہو کر کنور کوٹ کی طرف آ رہے ہیں۔ مشتاق کو یہ جاننے میں دیر نہیں لگی کہ یہ کس کی پالکی ہے۔ یہ تو یقیناً سارہ کی پالکی تھی۔ اس میں تو ذرا شک نہیں تھا کہ وہ کنور کوٹ آ رہی تھی لیکن آخر ایسے موسم میں اور ایسے وقت اس کو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی؟ مشتاق کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی اور وہ کچھ گھبراہٹ محسوس کرنے لگا۔

سائرہ کی سواری ٹیلہ کے نیچے رکھدی گئی، کہار ایک طرف کو ہو گئے۔ سائرہ پالکی سے نکل کر کلثوم کے ساتھ ٹیلہ کے زینوں کو طے کر کے کنور کوٹ کی عمارت میں داخل ہوئی، اور پھر یہ معلوم کر کے کہ مشتاق کوٹھے پر رہتا ہے کوٹھے کی سیڑھیوں کو طے کرنے لگی۔ کلثوم نے کہا "مجھے آگے جانے دیجئے میں مشتاق میاں کو اسکے لئے تیار کر دوں۔ وہ بڑی شرمیلی طبیعت والے ہیں اور ابھی آپ سے کسی کونے میں چھپ رہیں گے"۔ سائرہ نے کہا "نہیں! اسکی ضرورت نہیں، میں خود چلتی ہوں، وہ اگر چھپ رہیں گے تو کچھ دیر کی آنکھ مچولی کے بعد میں اُنھیں ڈھونڈھ نکالوں گی۔ آخر کنور کوٹ سے باہر وہ کہیں جا نہیں سکتے۔ اور پھر اگر اُن کو مجھ سے ایسا ہی پردہ کرنا ہے تو میں اُن کو زبردستی تو سامنے بُلا نہیں سکتی"۔

سائرہ چھت پر پہونچی تو واقعی مشتاق آڑ میں ہو رہا۔ سائرہ نے اب تک کبھی مشتاق کو نہیں دیکھا تھا، آج اُس نے پہلی بار مشتاق کی جھلک دیکھی تھی، اور ایک جھلک یہ بتلانے کے لئے کافی تھی کہ مشتاق نے دل میں کھپ جانے والی صورت پائی ہے۔ سائرہ اس سے زیادہ مشتاق کو نہ دیکھ سکی، اس لئے کہ مشتاق جلدی سے دوسری طرف چلا گیا۔ سائرہ کو بے جھجک ہونا پڑا، وہ بھی دبے پاؤں مگر جلد جلد قدم اُٹھاتی ہوئی مشتاق کے پیچھے چلی اور مشتاق کو خبر نہیں ہوئی کہ سائرہ اُسکے سر پر آپہونچی ہے۔ سائرہ نے پکار کر کہا "مشتاق! میں لقیں سے ملنے آئی ہوں، اور تم بھاگے جاتے ہو، تم نے تو شرم و حیا میں لڑکیوں کے کان کاٹ لئے۔ آخر تم

کوئی غیر تو ہو نہیں، تم تو اپنوں میں سے ہو، اور پھر تم جانتے ہو کہ میں پردہ کی کچھ زیادہ سختی کے ساتھ پابند نہیں ہوں۔ نہ جانے کتنے غیروں نے میری جھلک دیکھی ہو گی، پھر اگر تمھارے سامنے بے پردہ ہو کر آئی تو کون سا گناہ ہو گیا۔"

سائرہ یہ کہہ رہی تھی اور آنکھوں آنکھوں میں مشتاق کے خدوخال کی موزونیت اور قدوقامت کی رعنائی کی داد دے رہی تھی، مشتاق کچھ لجایا ہوا سا تھا اور تھوڑی دیر تک خاموش کھڑا رہا۔ سائرہ نے کہا "مشتاق! تم تو ایسے سراسیمہ ہو رہے ہو کہ معمولی اخلاق و آداب کا ہوش بھی کھو بیٹھے، میں تمھارے گھر مہمان کی حیثیت رکھتی ہوں اور تم نقش بہ دیوار کھڑے ہوئے ہو نہ خود بیٹھتے اور نہ مجھ سے بیٹھنے کو کہتے ہو۔" یہ کہکر سائرہ مسکرائی۔ اس کو مشتاق کی بدحواسی میں لطف آرہا تھا۔ مشتاق نے اپنی کمزوری اب محسوس کی اور معذرت کے ساتھ کمرے سے جاکر دو مونڈھے اور ایک چارپائی اٹھا لایا۔ سائرہ چارپائی پر بیٹھ گئی اور مشتاق سمٹ کر اور بدن چرا کر ایک مونڈھے پر سامنے بیٹھ گیا۔ مشتاق کو اب تک عورتوں سے بے تکلف ہو کر ملنے ملانے کا بہت کم اتفاق ہوا تھا۔ ماں بچپن ہی میں مر گئی تھی۔ باپ نے بڑے ضابطہ اور قاعدہ کے ساتھ اسکو تعلیم و تربیت دلائی تھی اور کسی قسم کی بے عنوانی یا بیباکی کو اسکے لیے روا نہیں رکھا تھا۔ اگرچہ لاڈ پیار میں بھی کسی طرف سے کمی نہ ہونے دی تھی۔ مشتاق نے اب تک اپنی نانی یا زینب کے سوا کسی عورت کو آنکھ بھر کر نہیں دیکھا تھا۔ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ سائرہ سے آنکھیں برابر کر کے باتیں کرتے ہوئے

جھینپ رہا تھا۔

سائرہ نے ایک نگاہ میں مشتاق کی طبیعت کا اندازہ کرلیا اور اسکی داد دیے بغیر نہ رہ سکی۔ مشتاق کی صورت وسیرت کی تعریف اُس نے اکثر سُنی تھی۔ لیکن اب تک یہ سُنی سُنائی بات تھی۔ آج سائرہ کو معلوم ہوا کہ اس کو جو مشتاق کو دیکھنے کا شوق تھا تو بیجا نہ تھا۔ ایسوں کی جان پہچان دلچسپیوں سے خالی نہیں ہوسکتی۔

مشتاق کی جھجک دور کرنے کے لئے سائرہ نے خود گفتگو کا سلسلہ شروع کیا اور تھوڑی دیر تک قائم رکھا۔ اس سے اس کا مطلب پورا ہوگیا۔ مشتاق کو اپنی سراسیمگی دور کرنا پڑی لیکن اسکی سمجھ میں نہ آیا کہ سائرہ سے کیا باتیں کرے۔ سائرہ نے اسکو محسوس کرلیا اور پھر خود ہی سلسلہ شروع کیا :-

"تم نے کنور کوٹ مجھ سے کرایہ پر مانگی تھی۔ میں آج تم سے معاملہ طے کرنے آئی ہوں۔ میں نے آج تک اس عمارت کو دیکھا بھی نہیں تھا، تم نے تو اسکو چمن بنا رکھا ہے۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں ایسے ویرانہ کو ایسا ہی گلزار بنا کر اُس میں رہ سکتی ہوں تو اس کو تمھارے حوالہ کردینے میں مجھے تامل ہوتا۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ میرا رہنا یہاں نہیں ہو جائے گا اس لئے اب یہ تمھاری ہے۔ رہ گیا کرایہ! سو میں نے غور کرنے کے بعد یہی فیصلہ کیا کہ تم سے کرایہ نہ لیا جائے۔ تم نے اس کھنڈر کو ایسا بنا سنوار رکھا ہے، یہی کرایہ کیا کم ہے؟"

"لیکن اگر آپ کو یہ معاملات طے کرنا ہی تھے تو اس آندھی پانی میں تکلیف اُٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟" مشتاق نے پوچھا۔

"یہ تو اپنے من کی موج ہے۔ میں حوادث کی عادی ہو چکی ہوں اور اب مجھے خطرات میں زیادہ مزا ملتا ہے۔" سائرہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

اُس کی مسکراہٹ میں ایک قسم کی حسرتناک تلخی تھی جو مشتاق سے چھپی نہ رہ سکی اُس نے موضوع بدل کر کہا:۔

"خیر! تو آپ معاملہ طے کرنے آئی ہیں اور آپ نے معاملہ طے نہیں کیا۔ میں اسی کو ترجیح دوں گا کہ آپ کچھ کرایہ لے لیں، ورنہ معاملہ کی صورت نہیں پیدا ہوگی۔"

سائرہ نے کہا "ٹھیک ہے! لیکن میں اس معاملہ کو اسی صورت میں رکھنا چاہتی ہوں تمہارا جی چاہے تو میرے شرائط منظور کرو۔" اُسکے لہجہ میں ایک تاجرانہ رُکھائی تھی جو مصنوعی معلوم ہوتی تھی۔

مشتاق چُپ ہو رہا، سائرہ یہ کہکر اُٹھ کھڑی ہوئی "آج دیر زیادہ ہو گئی ہے۔ میں اب جاتی ہوں، کل سہ پہر میں پھر آؤں گی اور اُس وقت اس معاملہ پر اور گفت و شنید ہو گی۔ اُمید ہے اُس وقت تم یہاں موجود ہوگے۔"

سائرہ مشتاق کے خاندانی حالات بہت کچھ جانتی تھی۔ جب وہ کنور کوٹ سے واپس

ہو کر حاتم سرا میں پہونچی تو کلثوم سے بڑی دیر تک مشتاق کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ سارہ کہہ رہی تھی "دیکھا کیسا مہذب اور سنجیدہ لڑکا ہے۔ جس شخص کا وہ شوہر ہوگا وہ سیدانی سہی لیکن مشتاق سے شادی کرکے قسمت کھُل جائیگی۔ دُنیا کو تو کوئی نہ کوئی بات انگشت نمائی کیلئے چاہیئے کون کہہ سکتا ہے کہ مشتاق کی ماں رذیل تھی۔ مشتاق لاکھ شریفوں کا ایک شریف ہے"۔

کلثوم نے کہا "آخر باپ کی شرافت کہاں جائے؟ لیکن بی بی! وہ دن مجھے کل کی طرح یاد ہے جبکہ نو آگر والوں کو معلوم ہوا کہ میاں نبی احمد نے محمد حسین جُلاہے کی لڑکی رشیدہ سے نکاح کر لیا ہے دور دور ہلچل سی مچ گئی۔ ایک طرف میاں نبی احمد کے گھر والے ان کو اپنی ذات سے نکالنے پر تُل گئے تھے۔ دوسری طرف رشیدہ کی برادری اُن کے خون کی پیاسی ہو رہی تھی۔ آخر میں بھاگتے ہی بنی۔ میاں نبی احمد پردیسی ہو گئے۔ جب قسمت اچھی ہوتی ہے تو کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میاں نبی احمد کو ریاست رام پور میں عہدہ مل گیا اور پھر لوگ اُنکے جُرم کو بھی بھول گئے۔ دُنیا کا قاعدہ یہی ہے، کبھی ایک بات پر قائم نہیں رہتی۔ نبی احمد نے رشیدہ کی ماں کو اپنا مختار کل بنا دیا تھا۔ اب اسکو بڑھاپے نے ناکارہ کرکے رکھدیا ہے، ورنہ کسی زمانہ میں بڑی سوجھ بوجھ کی عورت تھی اور حکومت کرنا خوب جانتی تھی۔ یہ اُسی کا انتظام تھا کہ میاں نبی احمد کے بیٹھ پیچھے بھی اُنکی زمینداری ویسی ہی رہی اور ایک حبہ ضایع نہ ہونے پایا۔ مشتاق میاں پردیس ہی میں پیدا ہوئے، وہیں بڑھے اور وہیں تعلیم پائی۔ ماں بدنصیب بچپن ہی میں مر گئی تھی۔ باپ بھی

اب مر گیا۔ بیچارہ کو مجبوراً دُنیا کے بکھیڑوں میں پڑنا پڑا۔ مگر اب ان کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ وہ رشیدہ کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں۔ دولت، علم، سلیقہ، کس بات کی کمی ہے؟۔ لیکن ابھی دُنیا کو اتنی کدورت باقی ہے کہ مشتاق میاں کو کوئی اپنی بیٹی دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ زینب کے سوا اور کوئی ایسی لڑکی نظر نہیں آتی جس سے اُنکی شادی ہو سکے۔ زینب انکی خالہ زاد بہن ہے اور یتیم و نادار ہے۔ وہ خالص جولاہے کا خون ہے لیکن نبی احمد کے گھر پرورش پائی ہے اور بڑے شعور کی لڑکی نکلی ہے۔ شرفا کی لڑکیوں میں بھی یہ سلیقہ بات مشکل سے نظر آتا ہے۔ سُنا ہے کہ وہ مشتاق سے منسوب ہو چکی ہے۔"

کلثوم کے جانے کے بعد سائرہ کو رات بھر نیند نہیں آئی۔ رہ رہ کر اُس کو مشتاق کی یاد آتی تھی اور وہ اسکے متعلق سوچتی رہ جاتی۔ کئی بار اس کو احساس ہوا کہ یوں چلتے پھرتے کسی کے خیال کو دل میں جگہ دینا اور پھر اسی خیال میں ساری رات آنکھوں میں کاٹ دینا کہاں کی دانائی ہے۔ لیکن وہ پھر اپنے کو مجبور پاتی تھی۔ غرضکہ تمام رات یوں ہی گزری۔ سب سے زیادہ اُس کو زینب کی قسمت پر رشک آتا تھا جس کے پاس یہ لعل جانے والا تھا۔

دوسرے دن سائرہ کچھ بے چین سی تھی اور صبح سے گنور کوٹ جانے کا سامان کر رہی تھی۔ آج وہ معمول سے زیادہ آرائش کر رہی تھی۔ شاید اس کو اپنی خدا داد دلفریبیوں پر اعتماد نہ تھا۔ کلثوم بھی دیکھ رہی تھی کہ آج اُسکی بیگم خلافِ عادت پہروں آئینہ کے سامنے کھڑی

اپنے گیسو کا ایک ایک خم درست کر رہی ہے، اور اپنے دوپٹہ کی ایک ایک شکن پر وقت صرف کر رہی ہے - کلثوم کو معلوم تھا کہ آج سائرہ کنور کوٹ جانے والی ہے - اس کے دل میں جو شبہات پیدا ہوئے اسکو اس نے چہرہ سے ظاہر نہیں ہونے دیا۔

بے صبر سائرہ دن کو دو بجنے سے پہلے روانہ ہوگئی - اگرچہ بوندیں پڑ رہی تھیں اور کسی کو گھر سے نکلنے کی اجازت نہ دیتی تھیں -

مشتاق کی حیرت اور ندامت کی کوئی انتہا نہ تھی، وہ نہ جانے کیوں پانی پانی ہوا جا رہا تھا - یہ سچ ہے کہ وہ دنیا کی بہت سی باتوں میں محض ناتجربہ کار تھا لیکن وہ ذہین تھا اور بلا کا ذہین تھا - جو لوگ طبعاً شاعر ہوتے ہیں وہ بہت سی ایسی باتوں کو بھی آنا کی بات میں سمجھ جاتے ہیں جن کا ان کو پہلے سے کوئی تجربہ نہیں ہوتا - یعنی ان کا تخیل غیر معمولی طور پر تیز اور رسا ہوتا ہے جس کی بدولت وہ اکثر واقعات کا صحیح اندازہ کر لیتے ہیں - مشتاق نہ صرف فطرت کی طرف سے شاعرانہ وجدان لیکر آیا تھا، بلکہ اس وجدان کو اس نے اپنے اکتسابات علمی سے اور بھی جلا دے دی تھی - وہ بہت سی ایسی باتوں کو جن کا خود اس کو کوئی تجربہ نہ ہو تجربہ کاروں سے جلد سمجھ جاتا تھا اور بہتر سمجھتا تھا۔

وہ سمجھتا تھا کہ سائرہ اس سے ٹوٹ کر ملی تھی - اور اسکے تیور صاف بتا رہے تھے کہ وہ اس سے اسی طرح ملتی رہنا چاہتی ہے - اسکی آنکھوں میں لگاوٹ تھی - مشتاق کو یہ سمجھنے میں

دیر نہیں لگی کہ سائرہ کی نگاہوں سے ایک قسم کی تڑپ اور خود باختگی ٹپک رہی ہے۔ اور وہ یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ یہ سب اُسکے لئے ہے۔ ورنہ یہ بار بار اُس سے ملنے کا اصرار کیوں؟ اور بھر زبردستی اُس سے مل بیٹھنا کیا معنی؟ اور سب سے زیادہ یہ کہ سہ پہر کو آنے کا وعدہ کر کے یہ دوپہر ہی میں پہونچ جانا کیا تاویل رکھتا ہے؟۔

سائرہ نے آتے ہی عذر لنگ پیش کرنا شروع کیا "مجھے چار بجے سے چند اور معاملات کی دیکھ بھال کرنا تھی اس لئے اتنا سویرے آدھمکی، تم کو ناگوار تو نہیں ہوا؟ یہ میرے بےوقت آنے سے تمھارے معمولات میں خلل تو نہیں پڑا؟۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ میرے لئے تم اس وقت ہر زحمت کو خوشی سے گوارا کر لوگے"۔

"یہ میرے لئے" کیوں؟ مشتاق کو یقین ہو گیا کہ اس عورت کو اپنی دلربائیوں پر ناز اور اعتماد ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سائرہ کا رعب حسن مشتاق پر چھا گیا تھا، اور وہ سائرہ سے ملنے کے بعد اپنی زندگی میں ایک نئی کیفیت محسوس کرنے لگا تھا۔ اُس نے جلدی سے کہا "نہیں! کوئی ہرج نہیں! یہ آپ کی بڑی نوازش ہے جو آپ میرے لئے اس طرح زحمتیں گوارا کر رہی ہیں۔ میں شام کو ایک بار نوانگر جاتا ہوں۔ آج دیر کر کے جاؤں گا۔ یا اگر موقع نہ ملا تو نہ جاؤں گا۔"

سائرہ مشتاق کے آخری جملہ پہ بار بار غور کر رہی تھی، اور اس سے بڑا اطمینان محسوس

کر رہی تھی، کم سے کم اتنا تو تھا کہ مشتاق اُس کا پاس کر کے آج تو انگر جانا ملتوی کرنے کے لئے تیار تھا۔ اور یہ اسکے لئے بہت تھا۔ سائرہ تنہائی و مجبوری کی زندگی سے کچھ اس قدر دلتنگ ہو رہی تھی کہ مشتاق جیسے شخص کا ادنیٰ سے ادنیٰ التفات اُسکی دلدہی کے لئے بہت تھا۔ سائرہ یہ اطمینان کر کے کہنے لگی "۔ کل تم مجھ سے اصرار کر رہے تھے کہ میں تم سے کنور کوٹ کا کرایہ لوں۔ میں تم کو سمجھا دینا چاہتی ہوں کہ اس کا کرایہ لینا میں کیوں نہیں پسند کرتی۔ اول تو کنور کوٹ کوئی ایسی جگہ نہیں جس کا کرایہ لیا جائے (مسکرا کر) تم جیسے خفقانیوں کے سوا دوسرا کبھی ایک گھڑی کے لئے اس میں نہیں رہ سکتا۔ اس کو تو بزرگوں کی ایک بے مصرف یادگار سمجھ کر چھوڑ دیا گیا ہے۔ میں تمھارے خبط سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھا سکتی۔ مجھے خدا نے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ مجھے کسی سے کوئی ناجائز فائدہ اُٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ تم اپنے عزیزوں میں ہو۔ تم سے یوں بھی کرایہ لینا مجھے گراں گزرے گا۔ سب سے آخر میں یہ بھی سُن لو! کرایہ نہ لینے میں میری اپنی کیا غرض ہے۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ تم نے کنور کوٹ کو کیا سے کیا بنا دیا ہے۔ اب تو یہ ایسی فرحت کی جگہ ہو گئی ہے کہ انسان عمر بھر یہاں رہے اور جی نہ گھبرائے۔ کل دیکھتے ہی کنور کوٹ کی عاشق ہو گئی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ تم مجھ کو اجازت دے دو کہ کبھی کبھی میں بھی تمھارے ساتھ کنور کوٹ آکر تفریح کیا کروں۔ تنہا تم بھی ہو، تنہا میں بھی ہوں۔ پڑھنے لکھنے سے تمھیں بھی شغف ہے اور مجھے بھی ہے۔ تم شاید جانتے ہو کہ میرے ماں باپ نے بڑی آس مُراد سے مجھے پالا تھا اور بڑے

ارمانوں سے مجھے تعلیم و تربیت دلائی تھی، لیکن سب بے کار ثابت ہوا۔ میری قسمت میں محرومیاں تھیں اور میری زندگی یوں تلخ ہونا تھی۔ خیر! تو مدعا یہ تھا کہ میں بھی یہاں تمہاری صحبت میں اپنی ناشاد و نامراد زندگی کے چند لمحے گزارنا چاہتی ہوں۔ تفریح کی تفریح ہو گی اور تمہارے فیض سے میرے معلومات میں بھی اضافہ ہو گا۔ لیکن اگر تمہاری نفیس اور نازک طبیعت پر ذرا بھی بار ہو تو تم پر خدا کی قسم ہے تم تکلف نہ کرنا، میں بُرا نہ مانوں گی۔ اگر میرا آنا کسی طرح تمھیں گراں گزرے تو صاف صاف کہدینا۔"

جتنی دیر تک سائرہ باتیں کرتی رہی مشتاق اُسکے چہرے کا رنگ بدلنا دیکھ رہا تھا۔ اُسکے لہجہ سے پایا جاتا تھا کہ وہ جلد جلد بہت سی باتیں کرنا چاہتی ہے مگر اس کو تھم تھم کر باتیں کرنا پڑ رہا ہے۔ مشتاق پر سائرہ کے حرکات و سکنات گہرے اثر چھوڑ رہے تھے۔ سائرہ جیسی جمیل و رعنا عورت کی مٹی یوں پلید ہونا واقعی بڑی عبرتناک بات تھی۔

مشتاق نے سائرہ کی باتوں کو غور سے سُنا اور کہا "آپ نے ایسی معقول بات کہی ہے کہ اب کچھ کہنے سُننے کی گنجائش باقی نہیں۔ رہ گیا یہ کہ آپ کا یہاں آنا مجھے کسی طرح ناگوار گزر سکتا ہے۔ سو اس کا میں کیسے یقین دلاؤں کہ آپ کا آنا میرے لئے عین لطف و راحت کا سبب ہو گا۔ اگر کنور کوٹ واقعی میری ملکیت ہوتی تو بھی میں آپ کو سر آنکھوں پر بٹھاتا۔ خدا کرے کہ آپکی اُمیدیں پوری ہوں، اور مجھ سے آپ کو واقعی کوئی فائدہ پہونچے۔ میں ہر طرح حاضر ہوں۔"

سائرہ باغ باغ ہوگئی اور کہنے لگی" مشتاق! تم باتیں بڑی پیاری کرتے ہو۔ اللہ کرے حُسنِ بیان اور زیادہ۔ تم نے اس وقت میری درخواست منظور کر کے میرے دل سے دُعائیں لی ہیں "

باتیں کرتے کرتے سہ پہر کے ناشتہ کا وقت ہو گیا۔ مشتاق نے نوکر سے پکار کر کہا کہ ناشتہ تیار کرے۔ سائرہ نے کہا " آج لاؤ ناشتہ میں تیار کروں۔ گھر میں عورت کے ہوتے ہوئے نوکر سے کھانا پکوانا حرام ہے۔ بتاؤ تم اس وقت کیا کھانا چاہتے ہو اور یہاں کیا کیا سامان موجود ہیں؟ "

مُشتاق نے سائرہ کو روکنا چاہا، مگر اُس نے یہ کہکر قصہ ختم کر دیا " میں نے کہدیا کہ اس وقت نوکر سے کھانا پکوانا حرام سمجھتی ہوں۔ آج میں ہی پکاؤں گی "

مشتاق دونوں وقت چائے پیتا تھا اور اُسکے ساتھ اُبلے ہوئے انڈے کھاتا تھا۔ کبھی کبھی ٹکیاں بھی کھا لیتا تھا اس لئے تھوڑا بہت ہر قسم کا سامان موجود رہتا تھا۔ سائرہ نے انڈے کا حلوا اور تلی ہوئی ٹکیاں بات کی بات میں پکا کر رکھدیں۔ چائے وہ نہیں پیتی تھی لیکن مشتاق کو حیرت ہوئی جب اُسکو معلوم ہوا کہ آج کی چائے سب دن سے اچھی بنی۔ مشتاق کے اصرار سے سائرہ نے بھی ایک پیالی چائے پی لی۔

دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ دورانِ گفتگو میں کئی بار علمی و ادبی تذکرے

بھی چھڑ گئے تھے ۔ مشتاق کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ سائرہ اچھی خاصی علمی استعداد رکھتی ہے اور اُس کا ادبی ذوق قابلِ قدر ہے۔

چھ بجے شام تک سائرہ کنور کوٹ میں رہی۔ اسکے بعد رخصت ہوئی۔ چلتے چلتے اُس نے پوچھا "تم توانگر کس وقت جایا کرتے ہو؟"

"عموماً چار بجے جاتا ہوں" ۔ مشتاق نے جواب دیا۔

"اچھا تو میں چھ بجے آیا کروں گی ، یہ تمہارے لئے ناوقت تو نہ ہو گا؟" ۔ سائرہ نے پوچھا۔

"بہت ٹھیک وقت ہو گا" ۔ مشتاق نے جواب دیا۔

سائرہ نے کہا "ہاں ایک بات تو بھول ہی گئی ۔ کبھی کبھی اگر فرصت ہو تو یوسف پور بھی آجایا کرو اور میرے ظلمتکدے کی بھی سیر کر لیا کرو۔"

سائرہ چلی گئی تو مشتاق نے توانگر کا راستہ لیا اور وہاں سے جلد ہی واپس آیا۔ رات کو وہ بڑی دیر تک سائرہ کے بارے میں سوچتا رہا۔ یہ بھی زمانہ کا کتنا بڑا ظلم ہے کہ سائرہ جس کو عمر بھر شاداب و شگفتہ رہنا چاہئے تھا اس طرح وقت سے پہلے مرجھا رہی تھی۔ سائرہ کی زندگی تمام دولت و امارت کے باوجود بے کسی اور بیچارگی کی زندگی تھی۔ بڑی رات تک مشتاق سائرہ کی دردناک زندگی کے ہر پہلو پر غور کرتا رہا۔ اُس کو بے ساختہ کسی کا یہ شعر یاد آگیا تھا۔

یک دل آزاد دریں دامگہِ فانی نیست
یوسفے نیست دریں مصر کہ زندانی نیست

(۵)

اگہن کا مہینہ آگیا تھا، اچھی خاصی سردی پڑنے لگی تھی۔ یہ موسم اپنے ساتھ افسردگی اور سرد مہری لاتا ہے، اور ہاتھ پاؤں کے ساتھ لوگوں کے دل بھی ٹھٹھرنے لگتے ہیں لیکن مشتاق اس موسم میں بھی اپنی رگوں میں جوانی کی گرمی اور اُبھار محسوس کر رہا تھا۔ وہ جوان تھا اور اُس کا دل جوان تھا۔ اگرچہ اُسکی جوانی کو اپنی جولانیاں دکھانے کا موقع اب تک کہیں نہیں ملا تھا۔ وہ اپنے شباب کے تقاضوں کو اب تک صرف اس طرح پورا کرتا رہا کہ خود اپنے عالمِ خیال میں گمن رہتا تھا۔ یہی اُس کی معصومیت تھی، اور یہی شاید سب کی معصومیت ہوتی ہے۔

لیکن اب سائرہ نے آکر مشتاق کی زندگی میں ایک خارجی مرکز پیدا کر دیا تھا۔ ابھی تک وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ اسکے لئے اگر کوئی عورت ہے تو وہ زینب ہے جس کا اُس کو شوہر بننا ہے اب صرف چند دنوں میں وہ یہ سمجھنے لگا تھا کہ شوہر چاہے وہ کسی کا بنے لیکن دُنیا میں اگر کوئی عورت اُسکے لئے ہوسکتی تھی تو وہ سائرہ تھی۔ سائرہ سے اُسکو ایک اضطراری لگاؤ پیدا ہو گیا تھا جس کی ذمہ دار خود سائرہ تھی۔ وہ مشتاق سے ملی اور بے نقاب ملی۔ اور مشتاق کو اپنے خلوص و ایثار سے اپنا گرویدہ کر لیا۔ سائرہ نے ایسا کیوں کیا؟ یہ شاید اسکے اپنے شباب کا

تقاضا تھا جس کو معاشرت یا اخلاق کے کسی میزان پر تولا نہیں جا سکتا۔ شباب نام ہے اس قوتِ خلاق کی انتہائی اُونچ کا جس نے جب اُس سے کچھ نہ ہو سکا تو اپنی فطرت سے مجبور ہو کر آدم کو پیدا کیا اور اس طرح اپنی خلاقی کے لئے ایک مستقل ذریعہ نکال لیا۔

خیر! کہنے کا مقصد یہ تھا کہ سائرہ جوان تھی، ایسی جوان جس کی جوانی تشنہ اور نا آسودہ رہ گئی ہو۔ اس لئے اس کا اپنے سے زیادہ جوان ور عنا کی طرف مائل ہو جانا عین تقاضائے فطرت تھا۔

مشتاق نے سائرہ کو اپنے دل میں جگہ دے رکھی تھی، اور اسکی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ سائرہ سے اُس کا جمالیاتی ذوق پورا ہو رہا تھا۔ آج تقریباً چار مہینے ہو گئے تھے اور ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا تھا کہ سائرہ مشتاق کے پاس آکر کم از کم دو گھنٹے نہ رہی ہو۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مشتاق اب بغیر سائرہ کے کنور کوٹ کو ویران اور سنسان محسوس کرتا تھا۔ اور جب تک سائرہ نہ آتی تھی گھبرایا کرتا تھا۔

ایک مہینہ سے سائرہ دن کے چھوٹے ہونے کے خیال سے چار ہی بجے کنور کوٹ میں آجاتی تھی اور عموماً سات بجے رخصت ہوتی تھی۔ مشتاق نے بھی اپنے ضبط اوقات کو تبدیل کر دیا تھا۔ اور نو اسکے صبح کو جانے لگا تھا۔ زمینداری یا کاروبار کے جتنے قصے قضیے ہوتے اُنکو وہ دن ہی میں چکا لیتا تھا۔ غرضکہ وہ یہی کوشش کرتا تھا کہ جتنے بھی معاملات ہوں وہ سب

چار بجے سے پہلے طے ہو جائیں اور وہ فراغت اور بے فکری کے ساتھ چند گھنٹے سائرہ کی پُرکیف صحبت میں گزار سکے۔

آج شام کے پانچ بج گئے تھے اور سائرہ اب تک نہیں آئی تھی مشتاق کو حیرت بھی تھی اور تشویش بھی، وہ ٹہل ٹہل کر گھڑیاں گزار رہا تھا اور رہ رہ کر اُس کو یہ خیال ہو رہا تھا کہ دریافتِ حال کے لئے اُس کو آصف پور جانا چاہئے۔ لیکن اسکے لئے اب وقت نہ تھا، کیونکہ آصف پور کنور کوٹ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا، آتے جاتے اندھیرا ہو جائے گا۔ اسکے علاوہ یہ بھی خیال تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ آصف پور روانہ ہو اور کسی دوسرے راستہ سے سائرہ کنور کوٹ پہونچ جائے۔ اسی کشمکش میں مشتاق کنور کوٹ میں ٹہلتا رہ گیا۔

چھ بجے کے قریب اُس کو سائرہ کی پالکی نظر آئی اور اُس کو اس روح فرسا انتظار سے نجات ملی۔

سائرہ نے پالکی سے اُترتے ہی کہا "مشتاق! میں یہ نہیں کہتی کہ تم مجھے معاف کرو۔ اس لئے کہ دراصل مجھے تم کو معاف کرنا چاہئے۔ آج جو اس قدر خلاف معمول میرے آنے میں دیر ہوئی اُس کا سبب یہ تھا کہ آج میرے سر میں سخت درد ہے اور آثار بتا رہے ہیں کہ کل تک مجھے موسمی بخار کی علت میں پابندِ بستر ہو جانا ہے۔ میں نے پہلے سوچا کہ آج کنور کوٹ کا آنا ملتوی کر دوں۔ لیکن آخر کار نہ رہ گیا اور سارا دردِ سر لئے ہوئے آ ہی گئی۔ میرے

ریشہ ریشہ میں درد ہو رہا ہے۔ لیکن تمھاری صحبت میرے لئے اس قدر ناگزیر ہو رہی ہے کہ ایک دن بھی بغیر تمھارے چین نہ مل سکا۔ خدا مجھ پر رحم کرے، اور تمھارے اس گناہ کو معاف کرے کیوں تم اپنے کو گنہگار سمجھتے ہو یا نہیں؟"

مشتاق پانی پانی ہو گیا اور کہنے لگا "میں اپنے کو جس قدر ملامت کروں تھوڑا ہے آخر آپنے مجھے اطلاع کیوں نہیں دے دی کہ آپ کی طبیعت نصیبِ دشمناں ناساز ہے۔ میں خود آصف پور آکر آپ سے مل لیتا۔"

اسکے جواب میں سائرہ نے صرف اس قدر کہا "مشتاق! تم مجھے "آپ آپ" کہکر نہ مخاطب کیا کرو۔ مجھے تم سے جس قدر الفت اور موانست پیدا ہو گئی ہے اُس کا تقاضا یہی معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھے "تم تم" سے مخاطب کیا کرو۔ آئندہ اسکا لحاظ رہے۔"

مشتاق نے نظر نیچی کر کے کہا "بہتر ہے"۔ یہ کہکر اُس نے یہ دیکھنے کے لئے کہ کہیں سائرہ کو بخار تو نہیں ہے اسکے ماتھے پر ہاتھ رکھا تو اُس کا جی سن سے ہو گیا۔ سائرہ کو تیز بخار چڑھا ہوا تھا۔ مشتاق کو سکتہ سا ہو گیا۔ اُس نے کہا "تم تو بخار میں اس وقت بھُلس رہی ہو۔ اس حالت میں آخر یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی، مجھ سے کہلا بھیجتیں میں ہی آصف پور آجاتا۔"

مشتاق شرم سے پسینہ پسینہ ہو رہا تھا اور سائرہ کے ہونٹوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ

تھی۔ اُس کو پورا احساس تھا کہ آج اُس نے اس نازک حالت میں کنور کوٹ آکر کنور کوٹ والے کو جیت لیا ہے۔ لیکن اُس نے بڑے اندوہناک لہجہ میں کہا "ہاں مشتاق! تم بھی آج مجھے سرزنش کر رہے ہو، رونا تو اسی بات کا ہے۔ ورنہ دُنیا کا تو کام ہی یہی ہے کہ دوسروں پہ ہنسے اور آوازے کسے۔"

مشتاق اور بھی نادم ہو گیا۔ اُس نے جلدی سے کہا "دیکھو خواہ مخواہ میری بات کے غلط معنی نہ پہناؤ۔ اس خیال سے میری روح اس وقت تشنج میں مُبتلا ہے کہ تم نے ایسے تیز بخار میں، یہاں تک آنے کی محنت اور تکان برداشت کی۔"

"تو کیا واقعی میری تکلیف سے تمھارے دل کو تکلیف ہوتی ہے؟ پھر تو میں بڑی خوش نصیب ہوں۔" سائرہ نے مسکرا کر پوچھا اور مشتاق پھر کسی قدر جھینپ گیا۔

بخار نے سائرہ کی رگوں میں غیر معمولی تناؤ پیدا کر دیا تھا، اور آج وہ روز سے زیادہ بے تکلف نظر آ رہی تھی۔ اُس نے تھوڑی دیر کے بعد کہا "اچھا مشتاق فضول باتیں بہت ہو چکی ہیں۔ اب کچھ اشعار گا کر سُنا دو، پھر میں بھی یہاں سے رخصت ہوں۔ زیادہ بیٹھنے کی تاب آج اپنے میں نہیں باقی۔" مشتاق جانتا تھا کہ کوئی عذر کارگر نہ ہوگا اس لئے اُس نے داغ کی یہ غزل اپنے مخصوص انداز میں گائی جس کا مقطع یہ ہے:۔

صدمے جو داغ پر گزرتے ہیں   آپ بندہ نواز کیا جانیں

سائرہ تملا اُٹھی اور کہنے لگی "مشتاق! تم سے خدا سمجھے، آخر یہ سوز و گداز تمہاری آواز میں کہاں سے آیا؟ خیر! اس مقطع پر میرے دل کی جو کیفیت ہوئی ہے اُس کو پھر کسی دن بیان کروں گی، آج تو بخار چڑھا ہوا ہے اور ساری کیفیتیں اس کے آگے گرد ہو رہی ہیں" یہ کہکر سائرہ نے مشتاق کو "خدا حافظ" کہا۔ مشتاق نے چاہا کہ آصف پور تک اُس کے ساتھ جائے۔ مگر سائرہ نے اسکی اجازت نہیں دی اس لئے کہ اندھیرا ہو چکا تھا۔

(۶)

دوسرے دن صبح ہی سے مشتاق کچھ فکر مند اور بے چین تھا۔ اس کو یقین ہو گیا تھا کہ اُس کو سائرہ کے ساتھ اور سائرہ کو اُس کے ساتھ غیر معمولی اُنس پیدا ہو چلا ہے۔ جو پُرکیف اور خوش آئند ہے۔ اب اسکو سائرہ کی تکلیف کا شدید احساس ہونے لگا تھا۔ آج اس خیال سے اُسکی روح کو صدمہ تھا کہ کل جب سائرہ یہاں آئی تھی تو اُس کو بخار تھا، اور وہ صبح ہی سے شام کا انتظار کر رہا تھا کہ کسی طرح آئے اور وہ آصف پور کا راستہ لے تین بجتے بجتے اُس کا پیمانۂ ضبط چھلک پڑا اور وہ جلد جلد کپڑے بدل کر سائرہ کو دیکھنے کے لئے چل پڑا۔ اُس کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ اگر وہ آصف پور سویرے نہ پہونچ گیا تو کہیں سائرہ پھر نہ بخار لئے ہوئے کنور کوٹ پہونچ جائے۔

تھوڑی دور گیا ہو گا کہ اُس کو مراد خاں آتا ہوا دکھائی دیا جو آصف پور کا ایک

خوشحال اسامی تھا اور جس کی مشتاق سے روپئے کی لین دین تھی ۔ مراد خاں نے مشتاق کو سلام کیا اور پوچھا "مشتاق میاں! آج ادھر کہاں ؟" ۔ مشتاق جھیپ سا گیا ۔ لیکن پھر ہمت کر کے جواب دیا "آصف پور جارہا ہوں ۔"

مراد خاں نے بات کاٹ کر کہا "ہاں بیگم کو کل صبح سے بخار ہے اُنھیں کو دیکھنے آپ بھی جارہے ہوں گے ؟" یہ کہکر مراد خاں نے مشتاق کو ایک خاص نگاہ سے دیکھا جو یقیناً بدگمانیاں لئے ہوئے تھی ۔ مشتاق اس نگاہ کا سامنا نہ کر سکا اور اُسکی آنکھیں خود بخود جھک گئیں ۔ مراد خاں کو جلدی کا کوئی کام تھا اور وہ شام ہوتے ہوتے خلیل آباد سے ہو آنا چاہتا تھا ۔ ورنہ اگر وہ کچھ دیر اور ٹھہرتا تو نہ جانے مشتاق کی کیا حالت ہوتی ۔ وہ آدھا راستہ طے کر چکا تھا لیکن اب یہ سوچ رہا تھا کہ آصف پور نہ جائے اور یہیں سے پلٹ جائے ۔ لیکن پھر اسکو سائرہ کا خیال آجاتا تھا جس سائرہ نے اتنے تیز بخار میں بھی کنور کوٹ آکر اُس سے ملنا اپنا فرض سمجھا ہو اُسکے لئے کیا وہ اتنا بھی نہیں کر سکتا کہ کسی کی بدگمانیوں اور چہ میگوئیوں کی پروا نہ کرے اور جا کر اُسکی عیادت کر آئے ۔

اس چار مہینے کے عرصہ میں مشتاق اور سائرہ کے تعلقات کا چرچا قرب وجوار میں ہر زبان پر تھا ۔ طرح طرح کی تاویلیں ہو رہی تھیں ۔ بعض مشتاق پر لعنت بھیج رہے تھے اور بعض سائرہ پر زبانِ طعن دراز کئے ہوئے تھے ۔ عورتیں سائرہ ہی پر ساری تہمتیں لگا رہی تھیں ۔ کوئی کہتی "اچھا

چھانٹ لیا ہے"۔ کوئی ہاں میں ہاں ملاتی اور کہتی "مشتاق میاں بھی آگے چل کر کیا یاد کریں گے کہ کسی جادوگرنی کے پالے پڑے تھے۔ اس وقت تو وہ اُٹھتی ہوئی جوانی کے نشہ میں چور ہیں" کوئی زینب کی قسمت کو روتی "بیچاری جی جان سے مشتاق میاں کو چاہتی ہے اُسکے دل کا کیا حال ہوگا۔ اور پھر وہ دور اندیش بُڑھیا کتنے دنوں سے یہ منصوبہ اپنے دل میں لئے ہوئے ہے کہ زینب کی شادی مشتاق سے ہو اور اس طرح اُس کی دونوں بیٹیوں کی اولاد خوش و خرم رہے لیکن تقدیر کے پھیر کو کوئی کیا کرے"۔ غرضکہ جتنے منھ اُتنی باتیں۔

مشتاق کے کانوں میں بھی یہ باتیں پڑ رہی تھیں اور وہ بڑی کشمکش میں تھا۔ یہ تو اُس کے لئے ناممکن تھا کہ سائرہ سے کنارہ کش ہو جائے۔ اس لئے کہ سائرہ میں اس کی دلچسپی کے وہ تمام اسباب موجود تھے جو ایک خوش مذاق اور مہذب نوجوان کے لئے ضروری سمجھے جا سکتے ہیں۔ زینب اس قابل بھی نہ تھی کہ اُسکی جوتیوں کی گرد صاف کر سکے اس میں شک نہیں کہ زینب بھی صورت شکل میں بُری نہیں تھی۔ مگر پھر بھی انسان کو صورت شکل کے علاوہ اور بہت سی چیزیں درکار ہیں۔ ہاں اس خیال سے مشتاق زینب سے شرمندہ تھا کہ وہ اُس کو اس قدر چاہتی ہے اور اسکی طرف سے نہ جانے کیا کیا اُمنگیں اور کیا کیا اُمیدیں اپنے دل میں لئے ہوئے ہے۔ اگر سائرہ کا جنون اس پر اسی طرح سوار رہا تو وہ زینب کو کیا مُنھ دکھائے گا۔ اس سے پہلے اُس نے بھی اپنے انداز اور برتاؤ سے زینب کو یہی سمجھا رکھا تھا کہ وہ اسکی محبت کی قدر کرتا ہے اور اسکے

بدلہ میں خود بھی اُسکو چاہتا ہے۔ اس خیال سے مشتاق اور بھی اپنے کو مجرم سمجھ رہا تھا۔

زینب بھی مشتاق کی نئی روش سے بے خبر نہ تھی، مگر وہ ستیا گرہی عورتوں میں سے تھی اور زمانہ کے صعوبات نے اُس کو سکھا بھی یہی دیا تھا کہ دل ہی دل میں اپنی حسرتوں اور اپنے ارمانوں کا خون کر ڈالو مگر ان کا بار دوسروں پر نہ ڈالو۔ خلوص اور محبت میں خود مر مٹو۔ لیکن اس مر مٹنے کی داد دوسروں سے نہ طلب کرو۔ مشتاق اور سائرہ کے متعلق جتنی افواہیں اُڑ رہی تھیں زینب سب کو شربت کے گھونٹ کی طرح پی ڈالتی تھی لیکن اپنے چہرہ سے نہ تو اپنی بڈھی نانی پر اور نہ مشتاق پر یہ ظاہر ہونے دیتی تھی کہ اُسکے دل پر کیا گزر رہی ہے۔

مشتاق نے ادھر اکثر اُسکے قیافہ سے اُسکے دل کی حالت کا پتہ لگانا چاہا مگر کچھ پتہ نہ چل سکا۔ زینب کا برتاؤ مشتاق کے ساتھ وہی تھا۔ وہ اسکے ساتھ اُسی طرح ہنستی بولتی رہی۔ مشتاق کو یہ دھوکا ہو چلا تھا کہ یا تو زینب کو کسی بات کی خبر نہیں ہے۔ اور اگر ہے تو اُس نے اس سے کوئی اثر نہیں قبول کیا ہے، اور سائرہ کے ساتھ اُسکی رسم و راہ کو ایک نا قابل اعتنا بات سمجھتی ہے۔ اُسکی نانی سے البتہ ضبط نہ ہو سکا تھا اور اُس نے دبی زبان سے کئی بار اس طرف اشارہ بھی کیا تھا۔ وہ اس بات پر تُلی ہوئی تھی کہ زینب مشتاق کے ساتھ بیاہی جائے اور اب جب سے سائرہ نے یہ رخنہ پیدا کر رکھا تھا اُس وقت سے تو اُسکو صرف ایک رٹ تھی، اور وہ یہ کہ آج کل میں مشتاق کا نکاح زینب سے ہو جائے۔

گانؤں والوں میں کسی کو اُس بُڈھی کے ساتھ ہمدردی نہیں تھی۔ وہ اس کو "آفت کی پرکالہ" کہا کرتے تھے۔ اور اُس تاریخ سے اُسکے ساتھ دشمنی رکھتے تھے جبکہ اُس نے اپنی بیٹی کے ذریعہ مشتاق کے باپ کو اپنے قبضہ میں کیا تھا۔ اس لئے کوئی ایسا نظر نہیں آتا تھا جو اس کو تقویت دیتا اور اسکی رائے سے اتفاق کرکے مشتاق کو زینب کے ساتھ جلد سے جلد شادی کر لینے پر آمادہ کرتا۔ مشتاق کا یہ حال تھا کہ جہاں نانی نے اس قسم کا کوئی ذکر چھیڑا وہیں اُس نے پہلو بدلا، اور کسی نہ کسی ضروری کام میں لگ گیا۔ اس پر بھی اگر اُس کو زیادہ پریشان کیا گیا تو کوئی نہ کوئی بہانہ کرکے نوانگر سے بھاگ نکلا اور کنور کوٹ آکر پناہ لی۔ مختصر یہ کہ بُڈھی نانی کے کئے کچھ ہوتا نظر نہیں آتا تھا اور زینب کا مستقبل تاریکی میں تھا۔

مشتاق ان باتوں پر اکثر غور کرتا رہتا تھا اور بسا اوقات اس کو زینب پر ترس بھی آنے لگتا تھا لیکن پھر سائرہ کی جمیل صورت اور جمیل سیرت اور اُسکی لطیف صحبتیں ایسی ایسی نہ تھیں جن سے ایک بار لطف اندوز ہو چکنے کے بعد کوئی آسانی اور سہولت سے دست بردار ہو سکتا۔ مشتاق تو اُن ساعتوں کو جو سائرہ کیساتھ گزرتی تھیں حاصلِ زندگی سمجھنے لگا تھا۔

آج بھی مشتاق انھیں اُلجھنوں میں مُبتلا تھا اور اسی عالم میں اُس کا راستہ طے ہو گیا حاتم سرا کے دروازہ پر پہونچکر وہ چونکا اور بات کی بات میں اُسکے خیالات کا مرکز پھر بدل گیا۔ اب اُسکی دُنیا میں پھر سائرہ ہی سائرہ تھی۔

سائرہ کا بخار اپنی جگہ پر قائم تھا، وہ ایک کمرے میں جو آراستہ و پیراستہ تھا اور جہاں شہری زندگی کے تمام تنعمات مُہیا تھے ایک پلنگ پر پڑی ہوئی تھی - مارے درد کے اُس کا سر پھٹا جا رہا تھا اور وہ سر میں ایک پٹی باندھے ہوئے تھی - کلثوم اُسکے پاس فرش پر بیٹھی ہوئی تھی خدمتگار نے اطلاع دی کہ "مشتاق میاں آئے ہوئے ہیں" - تو سائرہ کے بیمار چہرہ پر یکایک رونق آگئی اور اُس نے فوراً کلثوم کو بھیجا کہ جا کر باہر سے مشتاق کو بُلا لائے -

مشتاق سامنے آیا تو سائرہ اُٹھ بیٹھی اور مُسکرا کر کہنے لگی "خدا تمھیں جیتا رکھے میں گھنٹوں سے یہی سوچ رہی تھی کہ اُڑ کر کیسے کنور کوٹ پہونچ جاؤں اور تمھاری صورت و تمھاری باتوں کا لطف آج کیسے اُٹھاؤں - کیوں مشتاق! صورت کا ذکر کر کے میں نے تم کو شرم سے پانی پانی کر دیا - خیر جانے دو - مگر اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ تم نے صورت کی بھی دولت پائی ہے - بہر حال اس تذکرہ سے کوئی غرض نہیں ہے - آج میں بھی ہذیان میں خدا جانے کیا کیا بکے جا رہی ہوں - سُنو! تم کو یاد ہوگا کہ ایک دن تم نے مجھے میر کا یہ شعر سُنایا تھا اور دیر تک تفصیل اور تشریح کے ساتھ اسکے معنے بیان کئے تھے، آج صبح سے میں یہی شعر رٹ رہی ہوں - معلوم ہوتا ہے کہ میر نے میرے ہی لئے کہا تھا - ہو بہو میرے دل کی تصویر ہے :-

"نے خون ہو آنکھوں سے بہا اور نہ ہوا داغ　　　اپنا تو یہ دل میر کسو کام نہ آیا"

سائرہ کی آنکھیں بخار سے سُرخ ہو رہی تھیں شعر پڑھ کر آنکھوں میں آنسو بھر آئے - آج کی سی

حسرت اور بے کسی اُسکے چہرے پر کبھی نہیں برسی تھی مشتاق آج اسکی دردمند صورت دیکھکر تڑپ گیا اور کہنے لگا "تم یوں ہی خیالی طور پر اپنا جی کڑھایا کرتی ہو اب تمھیں کوئی شعر نہ سنانا! کرونگا، اس لئے کہ تم خواہ مخواہ ہر دردناک شعر کو کھینچ تان کر اپنے حال پر پورا اُتار لیتی ہو۔ تم کو شکر کرنا چاہئے کہ ہر طرح کے اسباب عیش و راحت تمھارے لئے مہیا ہیں، ورنہ مقدر کا کیا ٹھکانا؟ آج نہ جانے کس حال میں ہوتیں۔ آخر غور کرو تو خود تمھاری نظر سے روز کتنے لوگ گزرتے رہتے ہیں جن کو کبھی پیٹ بھر کھانا نہیں نصیب ہوتا اور جو طرح طرح کے آلام و محن میں مرمر کر بسر کر رہے ہیں، اُن کو البتہ زندگی سے بیزار ہونے کا حق حاصل ہے لیکن وہ بیزار نہیں ہوتے اور اگر ہوں بھی تو اُن کے تیور سے کبھی اُن کی بیزاری ظاہر نہیں ہوتی ......"

سائرہ نے بات کاٹ کر کہا "اس تمام طومار کے جواب میں وہی کل والا شعر ہے:-

صدمے جو داغ پر گزرتے ہیں   آپ بندہ نواز کیا جانیں۔

لیکن آج میں تمھاری قائل ہوگئی، تم ماشاءاللہ نصیحت خوب کر لیتے ہو اور تمھاری نصیحت سے بے چین دلوں کو تسکین بھی ہو جاتی ہے۔ یا ممکن ہے مجھ ہی کو تسکین ہوئی ہو۔ مجھے تو تمھاری ہر بات سے تسکین ہو جاتی ہے۔"

آج سائرہ کے لب و لہجہ میں معمول سے بہت زیادہ بے ساختگی اور بے تکلفی تھی معلوم ہوتا تھا کہ بخار نے اسکی ہستی کی اُن تہوں کو کھول کر رکھدیا ہے جن کو اب تک اُس نے سمیٹ کر

چھپا رکھا تھا۔ وہ ابھی کچھ اور کہنا چاہتی تھی لیکن اُس کے سر کا درد اس شدت کے ساتھ بڑھ گیا کہ اُسکے ہاتھ پاؤں ڈھیلے ہو گئے اور وہ مجبور ہو کر ایک آہ کے ساتھ لیٹ گئی۔ مشتاق اُٹھکر اُسکے سرہانے آگیا اور کہا "لاؤ میں سر دبا دوں"۔ سائرہ نے بہت "نہیں نہیں" کیا، مگر مشتاق نے زبردستی سر دبانا شروع کیا۔ سائرہ دیر تک ضعف اور غفلت کی حالت میں پڑی کراہتی رہی۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد دردِ سر میں تخفیف ہو گئی اور اُس نے اپنی اشک آلود آنکھیں اُٹھا کر کہا "اچھا مشتاق اب بس! یقین مانو میرے سر کا درد بہت کم ہو گیا ہے۔ یہ تمھاری مسیحائی ہے۔ اب آؤ ادھر سامنے بیٹھو تو میں تم سے کچھ باتیں کروں۔ میں تم سے کچھ اپنے دل کی باتیں کرنا چاہتی ہوں شرط یہ ہے کہ خوب غور سے سُنو اور سوچ سمجھ کر جواب دو۔"

مشتاق کے دل کی حرکت تیز ہو گئی مگر اُس نے اپنے چہرہ سے کچھ ظاہر نہ ہونے دیا۔ اور اُسی چارپائی پر سائرہ کی بغل میں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا۔ سائرہ اُٹھ کر پھر بیٹھ گئی، اور چند منٹ تک چُپ چاپ مشتاق کی صورت دیکھتی رہی۔ اسکے بعد کہنے لگی "مگر نہیں! ابھی نہیں کہوں گی۔ اول تو آج میرا دل بے انتہا کمزور ہے۔ دوسرے کچھ دن تک تمھاری طبیعت کا اندازہ اور کر لوں، پھر اگر تم اس قابل رہے تو اپنا دردِ دل کسی دن سُناؤں گی۔"

مشتاق کا دل سرد ہو گیا۔ وہ نہ جانے کس کس بات کے لئے تیار ہو کر بیٹھا تھا۔ مگر سائرہ پل مارتے پلٹ گئی اور پھر مشتاق نے بہت زور لگایا لیکن وہ راہ پر نہ آئی اور یہی کہتی رہی

"پھر کسی دوسرے دن سُن لینا۔"

چھ بجے شام تک مشتاق سائرہ کے پاس رہا۔ اس عرصہ میں کئی بار باتیں کرتے کرتے سائرہ کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُسکی طبیعت اُمڈی چلی آرہی ہے، اور وہ جی کھول کر رو لینا چاہتی ہے۔ لیکن مشتاق سے ابھی اس کو اس قدر جھجک باقی تھی کہ اُسکے سامنے وہ اپنے آنسوؤں کا دریا نہ بہا سکی۔

رخصت ہوتے ہوئے اُس نے کہا "مشتاق! تم نے آج میری بڑی خدمت کی اور مجھے وہ راحت پہونچائی جو شاید کسی سے نہ پہونچ سکتی تھی۔ خدا نہ کرے کبھی اسکی نوبت آئے کہ تم میری خدمتوں کے محتاج ہو لیکن یہ سمجھ لو کہ میں تمھاری ہر خدمت کیلئے تیار ہوں، تمھاری بدولت میری زندگی کی تلخیاں بہت کچھ گھٹ گئی ہیں۔" اُسکی نگاہوں سے ظاہر تھا کہ کچھ اور کہنا چاہتی ہے مگر اُس نے کچھ کہا نہیں، اور مشتاق اپنے دل میں ایک نئی الجھن لئے ہوئے چلا آیا۔

(۷)

سائرہ کا بخار معمولی فصلی بخار تھا جو تین دن کی میعاد پوری کر کے جاتا رہا اور چوتھے دن وہ اس قابل ہو گئی کہ خود دکنور کوٹ جائے۔ اس سے پہلے وہ جتنے دن بیمار رہی مشتاق دونوں وقت آصف پور جاتا رہا۔ مشتاق کے دل میں جو تازہ خلش پیدا ہو گئی تھی وہ کسی طرح مٹ نہیں رہی تھی۔ وہ رہ رہ کر سائرہ سے پوچھتا تھا کہ "تم اُس دن مجھ سے کیا کہنا چاہتی تھیں اور پھر کیوں

نہیں کہا؟" لیکن سائرہ برابر یہ کہہ کر ٹالتی رہی کہ "اب اس کا ذکر نہ چھیڑو۔ میں ارادہ کر چکی ہوں کہ ابھی تم سے کچھ نہ کہوں گی پھر مجھے کیوں تنگ کرتے ہو؟"

آج سائرہ آئی تو مشتاق نے اُس کو دیکھتے ہی کہا۔ "آج جب تک تم مجھ کو یہ بتا نہ دو گی کہ تم کو اُس دن مجھ سے کیا کہنا تھا، میں تم کو یہاں سے جانے نہیں دوں گا۔" سائرہ نے مشتاق کے سر پر ہاتھ پھیر کر بڑے پیار سے کہا "مجھے یہاں رہ جانے میں کوئی عذر نہیں۔ میرے لئے اس سے بڑھ کر بھی کوئی راحت ہو سکتی ہے کہ ساری رات تمہارے ساتھ یہاں رہوں اور تمہاری دلچسپ باتوں سے اپنا غم غلط کرتی رہوں۔ مگر میرے اچھے مشتاق! ابھی مجھے وہ بات کہنے پر مجبور نہ کرو جس کو میں نے آئندہ کسی موقع کے لئے اُٹھا رکھا ہے۔" سائرہ کے لہجے میں لجاجت تھی۔ مشتاق پھر مجبور ہو کر چُپ رہ گیا۔

آج سائرہ دس بجے رات تک کنور کوٹ میں رہی۔ چلنے سے کچھ دیر پہلے اُس نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔ "دیکھو مشتاق! اگر دیر تک آسمان کی طرف دیکھتے رہو تو دل پر ایک قسم کی ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ ایک تو یہ موسم ہی ایسا ہے کہ ساری دُنیا ویران اور پژمردہ معلوم ہوتی ہے لیکن اس سے قطع نظر کر لینے کے بعد بھی فضائے آسمان کی ہیبت بدستور باقی رہتی ہے۔ میں اکثر آسمان کو دیکھا کرتی ہوں اور ڈرا کرتی ہوں۔"

مشتاق نے کہا ہاں قضا و قدر کی ہیبت سب سے زیادہ آسمان ہی پر نمایاں ہوتی ہے

اور اس کا سبب یہ ہے کہ آسمان ہم سے اس قدر دور نظر آتا ہے، ورنہ غور کرو تو یہ ہیبت و جلال تمہارے قدموں کے نیچے ایک ایک ذرہ میں ہے۔ زیادہ دقتِ نظر سے کام نہ لو اور صرف رات کی تاریکی اور اس عالمِ سکوت پر غور کرو کہ کس قدر مہیب ہے، اور انسان ان چیزوں کے آگے کس قدر مجبور و معذور ہے۔ میں اکثر سوچا کرتا ہوں کہ عربی زبان میں جتنے خدا کے صفاتی نام ہیں اُن میں "جبار و قہار" سب سے زیادہ مناسب اور موزوں ہیں۔ نظامِ کائنات سے اُسکے رحیم و کریم ہونے کا اتنا ثبوت نہیں ملتا جتنا جبار و قہار ہونے کا۔ اسی وقت دیکھو یہ جنگل یہ درخت یہ ندی نالے، یہ بنجر اور شکستہ زمین کے ٹکڑے جو معلوم ہوتا ہے تم کو پھاڑ کھانے کے لئے منھ پھیلائے ہوئے ہیں یہ سب قہرمانیت کی علامتیں نہیں تو اور کیا ہیں؟ اور پھر کسی موسم کی کیا تخصیص ہے؟ سالوں تک لوگوں کو اسکی غارتگریاں یاد رہیں گی۔ کتنے اسکے ہاتھوں تباہ و برباد ہو چکے ہیں، ہاں اسی برسات کے ہاتھوں جو انسان کے رزق کی کفیل ہے۔ انسان بہرحال قضا و قدر کا محتاج اور دست نگر ہے، چاہے مارے چاہے جلائے، چاہے خاک میں ملادے۔ جو کچھ ہے وہ خدا کی قدرت اور مشیت ہے۔ ہم تو بن بن کر بگڑ جانے والے مٹی کے پُتلے ہیں۔ اور اگر حساب لگایا جائے تو دُنیا میں شاید آلام و مصائب، ذلت و خواری، مجبوری و معذوری کا پلہ بھاری نکلے۔ مجھے اکثر یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ تخلیقِ کائنات میں "اہرمنی قوت" کو زیادہ دخل ہے، ورنہ معصومیت کے مقابلہ میں معصیت

عدل و انصاف کے مقابلہ میں ظلم و تشدد، فراغت اور خوشحالی کے مقابلہ میں عسرت و ادبار؛ مختصر یہ کہ فضائل کے مقابلہ میں رذائل کا اس قدر زیادہ زور نہ ہوتا۔ خاصکر جب سے میں نے تم کو دیکھا ہے اور تمھارے حالات کا اندازہ کیا ہے میرا یہ خیال اور بھی قوی ہوتا جارہا ہے۔ آخر کس جرم کی سزا میں تمھاری زندگی برباد کی جارہی ہے؟ دُنیا یہ سمجھے گی کہ تمھارے ماں باپ نے تمھاری زندگی تلخ کی۔ مگر ذرا سوچو تو اُنھوں نے اپنی دانست میں تمھاری بہتر سے بہتر جگہ شادی کی تھی اور سوچ سمجھ کر تمھارے مستقبل کو خوشگوار سے خوشگوار بنانے کی کوشش کی تھی، مگر اُن کا کچھ نہیں ہوا، اور ہُوا وہی جو تمھارا نوشتۂ تقدیر تھا۔ تدبیر پر تقدیر ہنسا کرتی ہے۔ اور انسان کی حالت بھی کس قدر قابلِ رحم ہے کہ وہ اپنی تدبیروں سے باز نہیں آتا۔ حالانکہ رونہ جانے کتنی تدبیریں اُلٹی ہوتی رہتی ہیں۔

خیر! اس قدر طول گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ انسان کو عمر بھر اپنی مجبوریوں اور بیچارگیوں کا ماتم کرنا ہے اور اپنی محرومیوں پر خون کے آنسو رونا ہے۔ غالب کا ایک شعر ہے:-

"خزاں کیا فصلِ گل کہتے ہیں کس کو کوئی موسم ہو
وہی ہم ہیں قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے"

یہ کسی ایک شخص کا حال نہیں ہے بلکہ تمام بنی نوع انسان اور شاید یہ کہنا غلط نہ ہو کہ سائر مخلوقات اسی ماتم میں مبتلا ہیں، اور کائنات کے ذرہ ذرہ کے متعلق یہ کہنا سچ ہو یا نہ ہو

مگر کم سے کم انسان کی "تعمیر" میں تو "خرابی" کی صورت "یقیناً مضمر رہتی ہے"۔

مشتاق کی صورت سے آج خلاف معمول ایک جلال ٹپک رہا تھا۔ سائرہ نے اس کو اس ہیئت میں اب تک نہیں دیکھا تھا۔ ایک تو اسپر موسم اور رُت کی ہیبت طاری تھی، دوسرے مشتاق کی باتوں نے اُس کو اور بھی سہما دیا۔ اُس نے کہا "مشتاق! تم نے آج مجھے ایسا ڈرا دیا ہے کہ اب یہاں سے جاکر حاتم سرا میں اکیلے رات کاٹنا دُشوار معلوم معلوم ہوتا ہے، لوگ نہ جانے کیا کیا سمجھیں گے اور کہاں کہاں خیال دوڑائیں گے۔ ورنہ آج میں یہیں رہ جاتی۔ مگر خیر! اب مجھے جانا ہے۔ اگر ممکن ہو تو چلو مجھے آصف پور کی سرحد تک پہونچا دو۔"

مشتاق کو اب احساس ہوا کہ اُس نے اپنی دُھن میں کیا کر دیا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ سائرہ کے چہرے سے ڈر اور سراسیمگی کے آثار نمایاں ہیں۔ اب اس کو ندامت ہو رہی تھی۔ اُس نے کہا "ہاں چلو میں تمھیں پہونچا آؤں، مجھے افسوس ہے کہ میں نے خواہ مخواہ تمھارے وسوسوں کو اور بھی بڑھا دیا۔ مگر خود تمھیں نے چھیڑا تھا۔ ورنہ اس سے پہلے میں نے کبھی تم سے اس قسم کے خیالات کا اظہار نہیں کیا تھا۔"

راستہ میں مشتاق نے سائرہ کے خیالات کا مرکز بدل دیا۔ اُس نے کہا "یہ جو کنور کوٹ کے احاطہ میں تم نے پھلواری تیار کرائی ہے اسپر بھی بڑی چہ میگوئیاں ہو رہی

ہیں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ تم میرے اشارہ پر چلتی ہو، اور اب میں عنقریب تم کو لوٹ کر اپنا گھر بھر لوں گا۔ اکثر اہل غرض میرے پاس اس لئے آنے لگے ہیں کہ میں اُنکی سفارش تم سے کر دوں، دُنیا بھی کیسی عجیب و غریب جگہ ہے جس پر انگلیاں اُٹھائی جاتی ہیں اور جس کی پیٹھ پیچھے بُرائیاں کی جاتی ہیں اُسی سے لوگ اپنا مطلب بھی پورا کرتے ہیں۔"

اس ذکر سے مشتاق کا ایک اور بھی مقصد تھا جو پورا نہیں ہوا۔ اُس کا خیال تھا کہ اس طرح باتوں میں شاید سائرہ بھی کھُل جائے اور اُس سے اپنے دل کی کچھ باتیں بیان کرے جن کو وہ اب تک چھپائے ہوئے ہے۔ مگر سائرہ نے اسکے جواب میں صرف اتنا کہا "دُنیا کا قاعدہ یہی ہے جو جی میں آئے کہے، تم کو اسکی پرواکیوں ہو؟ اگر میں اپنے کو لُٹا کر تمھارا گھر بھرنا چاہتی ہوں تو کسی کا کیا بگاڑتے ہیں اور کوئی میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ سے جواب طلب کرنے کا کیا حق رکھتا ہے؟ یہ تو مشتاق اور سائرہ جانیں اور وہ سمجھیں۔" سائرہ نے اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہا، اور مشتاق پھر اُسی تاریکی میں رہ گیا۔

(۵)

چیت کا موسم ہر طرف تجدید حیات کا موسم ہوتا ہے۔ ذرہ ذرہ میں نمو کا زور ہوتا ہے، ہر چیز میں نشاط کی لہریں دوڑنے لگتی ہیں۔ کائنات کے ذرہ ذرہ میں ایک نیا عالم رنگ و بو ہوتا ہے اور زمین و آسمان ہرے بھرے معلوم ہونے لگتے ہیں۔ بہار کے یہ ابتدائی ایام

دو چاہنے والے دلوں کے لئے بھی نئی مستی اور طربناکی لاتے ہیں۔ شاعروں نے بہار اور جنون میں ایک ازلی رشتہ قائم کر رکھا ہے اور دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جسکی شاعری بہار کی ولولہ خیزیوں کے ذکر سے خالی ہو۔

مشتاق اور سائرہ دونوں اپنی اپنی جگہ اس ذوق انگیز موسم کے اثرات غیر معمولی طور پر قبول کر رہے تھے۔ دونوں کی مثال ایسے رندوں کی تھی جو بے پئے مست ہو ہو کر جھومنے لگتے ہیں۔ اب تک نہ سائرہ نے اپنی زبان سے محبت کا اظہار کیا تھا، نہ مشتاق نے۔ لیکن دونوں کو انداز اور بات چیت سے یہ یقین ہو گیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو چاہتے ہیں اور دل وجان سے چاہتے ہیں۔ مشتاق نے تو اپنی محبت اور جاں نثاری کا ثبوت ایسا نہیں دیا تھا جیسا کہ سائرہ نے دیا تھا۔

سائرہ کی بیماری کے کوئی دو مہینہ بعد مشتاق بھی بخار میں مبتلا ہوا اور اُس کے بخار کا سلسلہ ایک ہفتہ سے زیادہ عرصہ تک قائم رہا۔ سائرہ نے اپنی بیماری کے زمانہ میں جو کچھ کہا تھا اُس کو حرف بحرف کر دکھایا۔ مشتاق کی تیمار داری میں اُس نے دن کو دن اور رات کو رات نہیں سمجھا۔ اُس کو نہ تن بدن کا ہوش تھا اور نہ بھوک پیاس کا احساس۔ صبح سے شام تک وہ تھی اور مشتاق کی خدمت۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ مشتاق نے بیماری میں بھی کنور کوٹ کو نہیں چھوڑا۔ آج اگر سائرہ نہ ہوتی تو شاید اس بیماری میں وہ کنور کوٹ چھوڑ کر نوانگر

چلا جاتا اور اپنی نانی اور زینب سے تیمارداری کراتا۔

اسی چلیت کی ایک شام کا ذکر ہے کہ سائرہ کو کنور کوٹ پہونچنے میں معمول سے زیادہ دیر ہوگئی تھی۔ تھوڑی دیر میں سورج غروب ہونے والا تھا۔ مغربی افق پر سرخی نمودار ہو چلی تھی۔ مشتاق کنور کوٹ کے احاطہ میں چینی گلاب کی روش پر نہایت بے چینی کے ساتھ ٹہل رہا تھا اور سائرہ کی راہ دیکھ رہا تھا۔ دہکتے ہوئے گلاب کے پھول عجیب سماں پیش کر رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس سرے سے اس سرے تک آگ لگی ہوئی ہے۔ مشتاق ان پھولوں کو دیکھ رہا تھا اور ان کا اپنے دل کی کیفیت سے مقابلہ کر رہا تھا۔ اسکو دونوں میں ایک مشترک خصوصیت نظر آتی تھی اور اسکی زبان پر غالب کا یہ شعر تھا:۔

"زبس کہ لالہ و گل حسرتِ نازتو می جوشد"

خیاباں محشرِ دلہائے خوں گردیدہ را ماند"

مشتاق اس شعر کو باواز بلند ایک خاص دھن میں گا رہا تھا۔ اتنے میں احاطہ کا پھاٹک کھلا اور اس کو سائرہ آتی ہوئی نظر آئی۔ سائرہ نے مشتاق کو گاتے ہوئے سن لیا تھا، اس لئے آتے ہی اس نے پوچھا "کیوں مشتاق! کیا گا رہے تھے؟ ذرا پھر گاؤ، میں بھی سن لوں۔"

مشتاق ترنگ میں تو تھا ہی پھر وہی شعر گانے لگا۔ سائرہ نے کہا "اچھا اب اپنی زبان میں تفصیل کے ساتھ اسکے معنی سمجھاؤ۔" مشتاق نے کہا "اسی مفہوم کا ایک اردو شعر بھی سن لو۔

"غنچہ پھر لگا کھلنے آج ہم نے اپنا دل"
"خوں کیا ہوا دیکھا گم کیا ہوا پایا"

تم کو اپنے دل سے شکایت ہے کہ وہ تمھارے کسی کام نہیں آیا۔ کیا تم اس نکتہ کو سمجھ سکتی ہو کہ سیکڑوں دل تمھارے ہی دل کی طرح خاک میں مل کے ان پھولوں کی صورت میں نمودار ہوئے ہیں۔۔۔"

آج مشتاق پر ایک خاص الہامی کیفیت طاری معلوم ہوتی تھی اور اُسکے مُنھ سے جو جملہ نکلتا تھا وہ شعر ہوتا تھا۔ سائرہ کو ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ بجائے پھولوں کے خون میں لتھڑے ہوئے دل دیکھ رہی ہے۔ یہ مشتاق کی نظر کا اثر تھا۔ اُس نے کسی قدر بھرّائی ہوئی آواز میں کہا "مشتاق آج تم نے ناحق مجھے پھر میرا خوں شدہ اور کھویا ہوا دل دکھا دیا، میں تو اُس کی یاد کو بھی بھول چکی تھی۔ خیر! خدا تمھارا بھلا کرے کہ تمھاری بدولت دل کی صورت پھر نظر آئی۔ اب میں اپنے کو مجبور پاتی ہوں کہ تم سے دل کی وہ بات بھی بیان کر دوں جس کو جاننے کے لئے تم اتنے دنوں سے بیتاب ہو، اور جس کو میں اس دن تم سے کہتے کہتے رہ گئی تھی، اور اُسکے لئے اب کسی لمبی چوڑی تمہید کی ضرورت نہیں ہے۔ مختصر اًسُن لو۔

میں تم کو چاہنے لگی ہوں، میں صبح سے شام تک تمھارا دم بھرتی رہتی ہوں، مجھ کو ایسا کرنا چاہئے یا نہیں؟ اس سوال پر نہ کبھی میں نے غور کیا اور نہ غور کر سکتی تھی۔ محبت اندھی

ہوتی ہے اور آغاز و انجام یا حسن و قبح پر نہیں غور کرتی۔ میں بھی تمھاری محبت کرنے لگی ہوں اور میری محبت بھی اندھی ہے۔ اگر میری محبت گناہ ہے تو مجھے اپنے گناہ کا اعتراف ہے۔ تم معصوم ہو، دُنیا کے نشیب و فراز اور زمانہ کے بھلے بُرے سے ناواقف ہو، تم کو چاہنا دراصل ایک معصوم فرشتہ کو بہکا کر آزمائش میں گرفتار کرنا ہے۔ مگر میں اپنی طبعیت اور اُسکے تقاضے سے مجبور ہو گئی۔ آج کتنے دنوں سے اس راز کو عیب کی طرح سے چھپائے ہوں لیکن آج تم نے مجھے بے قابو کر دیا۔ آج ایک ہلکی سی ٹھوکر میں میرا پیمانہ چھلک پڑا۔ خیر! اب تم یہ بتاؤ کہ تمھارے لئے یہ خبر کیسی ثابت ہوئی؟ تم میری محبت کی پذیرائی کے لئے تیار ہو یا نہیں؟ اگر تم میری محبت کو ٹھکراتے ہو تو میں اس پر بھی راضی اور خوش ہوں، میرے لئے یہ کوئی نئی بات نہ ہوگی، میرے تو مقدر میں یہی ہے کہ میرے جذباتِ محبت ٹھکرائے جائیں اور مجھے اپنے خلوص و وفا کی سزا ملے۔" یہ کہتے کہتے سائرہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

مشتاق اس منظر کی تاب کیا لا سکتا تھا دوڑ کر سائرہ کو لپٹا لیا اور کہنے لگا:۔

"اُف! آج میں کتنے دنوں سے تمھارے مُنھ سے اس قسم کا ایک لفظ سُننے کے لئے ترس رہا ہوں، اور خاصکر اُس دن سے جبکہ تم نے کچھ مجھ سے کہتے کہتے یکایک زبان روک لی تھی میں عجیب آزمایش میں مبتلا ہوں، میرا دل ہی جانتا ہے کہ اُس گھڑی سے میرے دن رات کس فکر میں گزرتے رہے ہیں۔ جس تاریخ سے میں نے تم کو دیکھا ہے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ

اگر دُنیا میں کوئی ہستی اس قابل ہے کہ اُس کو چاہا جائے تو وہ سائرہ ہے۔ اور زمانہ کا ظلم دیکھئے کہ اُسی کا کوئی چاہنے والا نہیں ہے۔ میں روزِ اول سے تم کو چاہ رہا ہوں۔ اس کا علم مجھے اُسی دن نہیں ہوا بلکہ اتنے دنوں کی صحبت کے بعد مجھ کو یہ بھید معلوم ہوا۔ حالی نے محبت کی تعریف میں کہا ہے :-

"خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا"

تم بھی اسی طرح میرے دل میں سماتی رہی ہو۔ اور آج اسپر اپنا پورا قبضہ جما لیا ہے۔"

سائرہ کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ مشتاق اُس کو اُتنا ہی چاہتا ہے جتنا کہ وہ خود اُس کو چاہتی ہے۔ لیکن آج مشتاق کے مُنھ سے اس کا اعتراف سُن کر اُس کو یہ معلوم ہونے لگا تھا کہ اُس کو جیتے جی بہشت مل گئی ہے، اور واقعی عورت کیلئے محبت سے بہتر کوئی بہشت ہے بھی نہیں۔ سائرہ نے زمین و آسمان سے بے خبر ہو کر مشتاق کو پیار کیا، اور دیر تک اُس کو کلیجہ سے لگائے رہی۔ اس کے بعد ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہنے لگی :-

"دیکھو مشتاق! عمر کے اعتبار سے مجھ میں اور تم میں شاید بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔ لیکن یہ زمانہ کی مار ہے جس نے مجھ کو تم سے اتنا زیادہ آزمودہ کار بنا دیا ہے۔ تم بھی مجھے اُسی دن سے چاہ رہے ہو جس دن سے میں تم کو چاہتی رہی ہوں۔ لیکن آج تک تم نے

زبان سے تو درکنار تیور سے بھی صاف اپنی محبت کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ اور اگر غور کرو تو میرے حرکات و سکنات سے میری محبت چھلکی پڑتی تھی۔ آج بھی جبکہ دونوں طرف سے محبت کا اظہار ہو چکا ہے تم کیسے بھولے بھالے اور اَن جان بنے بیٹھے ہو، اور مجھے دیکھو میرا جی چاہتا ہے کہ تم کو اُٹھا کر کلیجہ میں رکھ لوں۔ غالباً اس کا سبب یہ بھی ہو کہ تم حسرت زدہ نہیں ہو اور میری ساری عمر حسرت میں کٹ گئی۔" یہ کہکر سائرہ نے مشتاق کو پھر سینہ سے لگا لیا اور بڑی دیر تک بھینچ بھینچ کر پیار کرتی رہی۔

اُس دن رات کو سائرہ حاتم سرا واپس نہیں گئی اور صبح تک کنور کوٹ میں رہی رات بھر مشتاق کے ساتھ راز و نیاز ہوتے رہے۔ آج زندگی میں سائرہ نے پہلی بار یہ محسوس کیا تھا کہ واقعی وہ جوان ہے اور اُسکی جوانی کی داد دینے والا بھی کوئی ہے۔

طلوعِ آفتاب سے پہلے سائرہ چلنے کا سامان کرنے لگی۔ چلتے چلتے اُس نے کہا:۔ "مشتاق! یوں تو سب کچھ ہوا مگر اس کا کیا علاج کہ تمھاری محبت کی طرف سے مجھے اطمینان نہیں ہے۔ شاید زندگی کی محرومیوں نے مجھے ایسا بدگمان اور وہمی بنا دیا ہے۔ بہرحال تمھاری محبت میں وہ جوش و خروش مجھے نظر نہیں آیا جو تم کو میری محبت میں نظر آیا ہوگا۔"

مشتاق نے کہا۔" اب اگر میں قسم کھاؤں تو بے کار سی بات ہوگی۔ اس لئے کہ:۔

"نگاہِ اہلِ محبت تمام سوگند است"

تمہاری نگاہ مُدت سے مجھ سے یہی کہہ رہی تھی۔"

سائرہ نے حسرت بھرے لہجہ میں کہا "ہاں! لیکن تمہاری نگاہ ایسی کبھی نہیں رہی، یہاں تک کہ آج بھی نہیں ہے۔"

مشتاق نے جواب دیا "خیر! اب اس کا فیصلہ آئندہ پر اُٹھا رکھو۔" سائرہ چُپ ہو رہی۔

یہ خبر ہر طرف مشہور ہو گئی کہ سائرہ نے رات حاتم سرا سے باہر کہیں گزاری ہے۔ سب کا گمان غالب یہی تھا کہ کنور کوٹ میں رہی ہو گی۔ اس واقعہ نے کئی دن تک لوگوں میں کانا پھوسی کے لئے مواد فراہم کر دیا۔

(۹)

رُسوائی اور بدنامی کے بعد انسان کچھ دُنیا والوں کے کہنے سُننے کی طرف سے اور بھی کان بند کر لیتا ہے، اور پہلے سے زیادہ کھُل کھیلنے لگتا ہے۔ اور اگر کہیں رِوزِ اول سے یہ خیال دل میں بیٹھا ہو کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ کسی نقطۂ نظر سے بُرا نہیں ہے تو پھر کسی سے تھوڑی بہت جھجک بھی باقی نہیں رہتی۔

گزشتہ تین چار ماہ کے عرصہ میں سائرہ اور مشتاق بُری طرح بدنام ہو چکے تھے۔ گانوں گانوں ان کا چرچا تھا، گھر گھر ان پر لعنت بھیجی جا رہی تھی۔ دونوں جانتے تھے

کہ پیٹھ پیچھے خلقِ خدا اُن کو بُرا کہہ رہی ہے، مگر اول تو محبت کے نشہ میں وہ دونوں مدہوش تھے اور سماج کی حدبندیوں کے احساس سے آزاد تھے۔ دوسرے اُن کو یقین تھا کہ وہ اگر ایک دوسرے کی محبت کرتے ہیں تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ سائرہ اور مشتاق دونوں اپنی اپنی جگہ یہ سمجھ رہے تھے کہ انکی محبت زندگی بھر کی محبت ہے، اور کچھ دنوں کے عاشقانہ نازونیاز کے بعد وہ اپنی محبت کو شرع اور قانون کی رُو سے مُستحکم اور پائدار بنالیں گے۔ لیکن ابھی اس مسئلہ پر اُنھوں نے آپس میں کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔

سائرہ اور مشتاق اب دن دوپہر اور کھُلّم کھُلّا ملنے لگے تھے۔ سائرہ اکثر رات کو کنورکوٹ میں رہ جاتی تھی، باقی راتیں مشتاق حاتم سرا میں بسر کرتا تھا۔ اور کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا کہ سائرہ دن بھر کنورکوٹ میں نہ رہتی ہو۔ وہ مشتاق کے کاروبار کے اوقات میں کسی طرح ہارج نہیں ہوتی تھی بلکہ صرف اپنے ہاتھوں سے اُس کو آرام پہونچانے کی کوشش کرتی تھی۔ جس کو پہلے سے دونوں کے نازک تعلقات کا علم نہ تھا وہ سائرہ کو بے تامل مشتاق کی بیوی سمجھ لیتا۔

اساڑھ کا مہینہ شروع ہوگیا تھا۔ بارش کا موسم تھا، سائرہ بدستور کنورکوٹ کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھی۔ آندھی پانی تو خیر ایک طرف، سائرہ اُن "بلاکشانِ محبت" میں سے تھی کہ اگر آسمان اپنی تمام آفتیں لئے

ہوئے اُس پر ٹوٹ پڑتا تو بھی وہ "کوئے یار" کا جانا نہ چھوڑتی۔ مشتاق کو آجکل آصف پور جانا نہیں پڑتا تھا، اس لئے کہ سائرہ روزرات کو کنور کوٹ ہی میں رہنے لگی تھی، البتہ وہ دن بھر عموماً آصف پور میں رہتی تھی اور اپنے معاملات کی نگرانی کرتی تھی اس لئے کہ مشتاق نے اصرار کے ساتھ اُس سے کہا تھا کہ اگر وہ اس طرح دن رات اسی میں محو رہے گی تو اُسکا کام بگڑ جائے گا اور لوٹنے والے غافل پاکر اُس کو لُوٹ لیں گے۔

ایک شام کو سائرہ کے آنے میں کچھ دیر ہوگئی، مشتاق بے چین سا ہو چلا تھا، اُس کو یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو بارش شروع ہو جائے اور سائرہ کنور کوٹ نہ آسکے۔ اور پھر اس کا بھی وقت نہ ہو گا کہ وہ خود آصف پور جا سکے، آج دن بھر ایک بوند بھی نہیں پڑی تھی لیکن آسمان صبح ہی سے برسنے کا اہتمام کر رہا تھا، بادل کے ٹکڑے گھر گھر کر اکٹھا ہوتے تھے اور پھر بکھر جاتے تھے۔ دن بھر کی تپش صاف بتا رہی تھی کہ آج کسی نہ کسی وقت اس کی تلافی کے لئے آسمان کا دروازہ کھُلنے والا ہے۔ سہ پہر کے پانچ بجتے بجتے بادل کی گرج ٹھنک بڑھ گئی تھی اور کسی قدر ٹھنڈی ہوا چلنے لگی تھی۔ مشتاق دیکھ رہا تھا کہ چند گھنٹوں کے اندر موسلا دھار بارش ہونے والی ہے، اور اسی لئے اُسکو زیادہ تشویش تھی۔

مشتاق کوٹھے سے نیچے اُتر آیا تھا اور کنور کوٹ کے احاطہ میں ٹہل رہا تھا۔

فطرت کی بالیدگی اور کائنات کی تروتازگی کا اُس پر اُلٹا اثر ہو رہا تھا، وہ کھلے ہوئے پھولوں اور ہرے بھرے سبزوں کو دیکھ کر کچھ مضمحل سا ہو رہا تھا۔ مشتاق اُن لوگوں میں تھا جن کی بصیرت زندگی کی پوشیدہ المناکیوں کے لئے زیادہ تیز اور رسا ہوتی ہیں، اور جو بہار کی رنگ آمیزیوں میں خزاں کی بے رنگیاں دیکھا کرتے ہیں۔ خود مشتاق کو یہ احساس تھا کہ وہ عوام کے نقطۂ خیال سے "کفرانِ نعمت" کر رہا ہے۔ لیکن وہ اپنے رنگِ طبیعت سے مجبور تھا۔ اور یہ رنگ سائرہ سے رسم و راہ پیدا کرنے کے بعد اور بھی پختہ ہو گیا تھا۔

آفتاب تھوڑی دیر میں ڈوبنے والا تھا، شفق کا خونیں رنگ مغربی اُفق پر پھیل چکا تھا، مشتاق کی نظر اُس پر پڑی تو وہ سوچنے لگا "کون کہہ سکتا ہے کہ یہ شفق محض چند عناصرِ فطری کی ترکیب و تحلیل کا نتیجہ ہے۔ یہ جلالی رنگ یقیناً قاتلانہ ہے اور کوئی شاعر اگر اس کو کوئے قاتل کی زمین" سمجھتا ہے تو کون کہہ سکتا ہے اور کن شواہد کی بنا پر کہ وہ غلط سمجھتا ہے"۔

مشتاق اپنے خیالات کی رَو میں یہاں تک پہونچا تھا کہ احاطہ کا دروازہ کھلا اور سائرہ مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ مشتاق اپنے خیالات کو بھول گیا اور اُسکی طرف متوجہ ہو گیا۔ لیکن ابھی "سماں" کا اُس پر اتنا اثر باقی تھا کہ بلا ارادہ اُس کے مُنھ سے یہ شعر نکل گیا :۔

"وَرد میں خاصیتِ اخگرِ سوزاں پائی
نسترن میں اثرِ خارِ مغیلاں دیکھا"

سائرہ کہنے لگی "مشتاق! تمھارے منہ سے یہ شعر کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا، اس شعر کو تو مجھے پڑھنا چاہئے تھا - گلاب کے پھول مجھے دہکتے ہوئے انگارے معلوم ہوں تو بات بھی ہے، تم تو دل جلوں کو خواہ مخواہ منھ چڑھاتے ہو"

"آہ سائرہ! تم کو کیا معلوم کہ میں کس عالم میں رہا کرتا ہوں، یہ سچ ہے کہ بظاہر مجھے کوئی صدمہ نہیں ہے، اور میں ایک حد تک زمین و آسمان کی بلاؤں سے محفوظ ہوں، مگر اس کا کیا علاج کہ میں سارے زمانے کے درد کو اپنا درد سمجھتا ہوں، مجھے ہستی کا غم ہے - میں نے اس عمر میں بہت کچھ دیکھ نہیں تو جان ضرور لیا ہے، اور میرے جاننے اور دیکھنے میں کوئی فرق نہیں ہوتا، میں دونوں کو یکساں محسوس کرتا ہوں ــــ"

سائرہ نے دیکھا کہ بات کچھ زیادہ مزے کی نہیں ہے اس لئے اس نے کہا "آؤ تھوڑی دیر تک احاطہ میں پھولوں کی سیر کی جائے - دیکھو ہوا کیسی کیف آگیں ہے، یہ عطر بیز ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے، یہ پھولوں اور سبزہ زاروں کی فرحت بخش رنگینیاں، یہ ویران معمورۂ رنگ و بو، یہ آہنگِ فطرت کے لطیف ارتعاشات، یہ دور تک پانی کی موجوں کا خواب آور ترنم، مختصر یہ کہ یکسر رنگ و بو اور موسیقی کی دنیا، اور پھر اس میں اکیلے تمھارے ساتھ ہونا میری

سمجھ میں نہیں آتا کہ بہشت میں اس سے زیادہ کسی کو کیا میسر ہو سکتا ہے، اور یہ سب نعمتیں تمہارے طفیل میں مجھے میسر ہوئی ہیں، ورنہ اس سے پہلے بھی بارہا برسات کا موسم آیا ہے، بارہا پھول کھلے ہیں، بارہا بہار کی آمد نے مجھے نشاط و شگفتگی کی دعوت دی ہے اور میری رگوں میں انبساط و سرور پیدا کرنا چاہا ہے مگر میرے دل کی کلی پژمردہ ہی رہی، اس کو تم نے شگفتہ کیا، اب میں کھل رہی ہوں، تم میری بہار ہو، تم میرے لئے سواتی کی بوند ہو، تم نے سوکھے دھان میں پانی ڈالا، تم نے میری جلی ہوئی کھیتی کو ہری بھری کر دیا، اور اب میں اپنی تمام پچھلی کلفتیں بھول گئی ہوں۔"

سائرہ کی مست و مدہوش آنکھیں اسکی تائید کر رہی تھیں کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے وہ وہی ہے جو اُسکے دل میں ہے۔ محبت کا نشہ اُسپر چھایا ہوا تھا اور اُسکی آنکھوں سے ٹپکا پڑتا تھا، مشتاق نے سائرہ کی طرف دیکھا اور اُسکی مستی کو اپنی رگوں میں محسوس کیا۔ سائرہ کی نگاہوں نے اُس کو بے خود کر دیا، اور اُس نے بے اختیار سائرہ کو لپٹا لیا۔ سائرہ نے بھی سیر ہو کر مشتاق کو پیار کیا، آج سائرہ سب دن سے زیادہ محسوس کر رہی تھی کہ مشتاق اُسکی چیز ہے۔

مشتاق نے ٹہلتے ٹہلتے کہا "یہ تمھاری محبت اور اُسکی لذتیں ہیں جو مجھے اپنے میں محو کئے ہوئے ہیں، ورنہ میں اُن لوگوں میں سے ہوں جو زمانہ کی کجروی کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں، جو عین بہار کی شورشوں میں خزاں کے دبے پاؤں آنے کی آہٹ کانوں سے سنتے ہیں، جو خنگی کے

ڈال پات اور باغ کے پھول پھل میں نہ جانے کیا کیا صورتیں دیکھتے ہیں، جو چڑیوں کے چہچہے میں، نہ جانے کس کس کی آوازیں سُنتے ہیں - اسی وقت دیکھو میں ان پھولوں کو دیکھ رہا ہوں اور کسی کا یہ کہنا یاد آرہا ہے :-

"آہستہ پاؤں رکھیو اے بوئے گل چمن میں
سوتے ہیں اس چمن میں نازک دماغ کیسے"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں اُن نازک دماغوں کو مصروفِ خواب دیکھ رہا ہوں ۔"

سائرہ نے فوراً بات کاٹ دی اور کہنے لگی "تم وہ دیکھ رہے ہو اور میں اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ رہی ہوں کہ :-

"نہ غنچے گل کے کھلتے ہیں نہ نرگس کی کھلیں کلیاں
چمن میں لیکے خمیازہ کسی نے انگھڑیاں ملیاں"

مشتاق سائرہ کی ذہانت کی داد دئے بغیر نہ رہ سکا، اُس کو ہنسی آگئی - سائرہ نے مصنوعی سنجیدگی کے ساتھ پوچھا "کیوں ہنسنے کی کون سی بات ہے ؟"

مشتاق نے کہا "کچھ نہیں! ہنسی اسپر آگئی کہ میں تمھارے دعوے کی تردید نہیں کر سکتا بالکل اُسی طرح جس طرح تم میرے دعوے کی تردید نہیں کر سکتیں، یہ تو اپنی اپنی نظر کا معاملہ ٹھہرا، لیکن سائرہ! آج تم نے مجھے قائل کر دیا ۔"

سائرہ نے کہا "مشتاق! میں تم کو ایک خوش باش معصوم سمجھتی تھی لیکن رفتہ رفتہ تمہارے ساتھ رہنے سہنے سے یہ معلوم ہوا کہ تم سو بڈھوں کے ایک بڈھے ہو۔ تم تو اس شخص کی طرح سوچتے اور باتیں کرتے ہو جس پر دنیا کی ہر مصیبت پڑ چکی ہو، اور جو زندگی کا ہر گرم و سرد آزما چکا ہو۔ تمہارا دل ایسا دردمند ہے تو ذرا اندازہ کرو کہ میرا دل کتنا دردمند ہوگا۔"

مشتاق نے دیکھا کہ سائرہ کچھ افسردہ ہونے لگی ہے اس لئے اس نے مسکرا کر اور اسکے گلے میں باہیں ڈال کر کہا "اسی لئے تو کہتا ہوں کہ تم جلد سے جلد میرے ساتھ شادی کرنے پر آمادہ ہو جاؤ، پھر نہ میں دردمند رہوں گا نہ تم۔ جب سے تم مجھے ملی ہو میں اپنے اندر ایک غیر معمولی نشاط اور ایک خلاف عادت ولولہ محسوس کرنے لگا ہوں، تم جوان ہو مجھے بھی جوان بنا دو۔"

"کیوں مشتاق! تم چٹکیاں لیتے ہو؟" سائرہ نے افسردہ لہجہ میں کہا "تمہارے سامنے مجھے کون جوان کہے گا؟ مجھے تو تم نے جوان بنایا۔ میں اب اپنی زندگی کو زندگی سمجھنے لگی ہوں، یہ سب تمہاری رعنائیوں کا صدقہ ہے۔"

"خیر! یوں ہی سہی" مشتاق نے جواب دیا۔ "مگر پھر کیوں نہ ہم دونوں اپنی اس حالت کو استوار اور پائدار بنا لیں، دنیا بڑی ظالم ہے وہ ہم دونوں کو کبھی اس طرح چین سے نہ رہنے دے گی جبتک ہم اپنے کو رسم و رواج کی زنجیر میں جکڑ نہ لیں وہ ہم کو ستاتی رہیگی۔

تم میری محبت کا دم بھرتی ہو اور مجھ سے شادی کر لینے کا وعدہ کر چکی ہو، میں تمکو اپنے لئے بہترین شریکِ زندگی سمجھ رہا ہوں، اب رُکاوٹ کون سی باقی رہی؟ میں کئی بار تم سے کہہ چکا ہوں، مگر تم نہ جانے کس مصلحت سے ٹال رہی ہو، میں چاہتا ہوں کہ اب تم اس معاملہ میں دیر نہ کرو اور میرے ساتھ جلد سے جلد شادی کر کے "زبانِ خلق" کو جس کو سب "نقارۂ خدا" سمجھے ہوئے ہیں ہمیشہ کے لئے بند کر دو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب تم نے طے کر لیا ہے کہ تم کو میری بیوی بننا ہے تو پھر اب انتظار کس بات کا ہے، اور یہ پس و پیش کس لئے ہے؟"

سائرہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور تھوڑی دیر تک چُپ رہی، اسکے بعد کہنے لگی:- "دیکھو مشتاق! بات یہ ہے کہ میں تم کو کافی میدان اور کافی موقع دینا چاہتی ہوں کہ اگر تم مجھ سے پلٹنا چاہو تو پلٹ جاؤ، میرا تمھارا شاید بہترین جوڑ نہیں ہے۔ ممکن ہے میں نے تم کو مبہوت کر لیا ہو اور تم بغیر سوچے سمجھے مجھ سے شادی کرنے پر آمادہ ہو گئے ہو، میں چاہتی ہوں کہ تم اُس وقت نہ پچھتاؤ جب کہ پچھتانا لاحاصل ہو۔ اگر نکاح میں کافی دیر کی جائے تو ممکن ہے درمیان میں تمھاری آنکھیں کھُل جائیں اور اگر تم غلطی کر رہے ہو تو تمکو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور تم اُسکا معقول ازالہ کر سکو۔"

"بس اپنی پند و نصیحت کا دفتر تہ کر رکھو، تمھارے مُنھ سے اس قسم کی باتیں کرتے،

معلوم ہوتی ہیں، تمھارے یہ ہونٹ تو اس لئے بنے ہیں کہ اپنے کو دوسرے ہونٹوں کے سپرد کر دیں اور بس!"

"اچھا! تم نے جو کہا میں نے مان لیا" سارہ نے ہنس کر جواب دیا۔ "لیکن اب مجھے تو صرف اپنے ہونٹوں کا خیال نہیں ہے، میں تو اس طرح آنکھیں بند کر کے تمھارے مستقبل کو اپنے ہونٹوں پر قربان نہیں کر سکتی۔ تمھاری زندگی نے ابھی کوئی مستحکم اور مستقل صورت نہیں اختیار کی ہے۔ تمھارا مستقبل ابھی زیرِ تعمیر ہے، "عجلت کام شیطان کا" یقین مانو میں بھی اُس دن کا خواب دیکھ رہی ہوں جبکہ میں ہر طرح تمھاری اور صرف تمھاری ہو جاؤں، اور مجھے وہ دن دیکھنے کی اُمید ہے۔ لیکن چند اسباب ہیں جن کی بنا پر ابھی نکاح کے مسئلہ کو ملتوی رکھنا مناسب سمجھتی ہوں۔ اور تم جانتے ہو وہ کون سے اسباب ہیں۔ میاں عبدالکریم جو عمر بھر تمھارے باپ کے دشمن رہے اب تمھارے اوپر مہربان ہوئے ہیں، بڑھاپا انسان کو خوب سر کرتا ہے، اب تک اولاد کی اُمید لگائے بیٹھے رہے، پچاس سے زیادہ کی عمر ہو چکی ہے، اب تک اُن کا گھر بے چراغ ہے۔ آخر کار کسی کو گود لینے کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہیں آیا، نظرِ انتخاب تم پر پڑی، شاید اس لئے کہ تم سے زیادہ ہونہار اور سعادتمند لڑکا ان کو کوئی مل نہیں سکتا تھا۔ خیر! وجہ جو کچھ ہو واقعہ یہ ہے کہ عبدالکریم اس معاملہ پر سنجیدگی سے غور کر رہے ہیں، وہ تم کو

بھی اپنے ارادہ سے آگاہ کر چکے ہیں، اور دس بیس پچاس آدمیوں کو بھی یہ خبر ہو چکی ہے میرا خیال ہے کہ اگر میں نے بے تامل عجلت میں تمھارے ساتھ شادی کر لی تو ممکن ہے وہ اپنے ارادہ سے پھر جائیں، اس کے علاوہ تم اسکی اہمیت محسوس نہیں کرتے کہ میں ابھی دوسرے کی بیوی ہوں، مجھے نہیں معلوم کہ میرا شوہر زندہ ہے یا نہیں۔ پھر ذرا سوچو اور مجھیں فیصلہ کر کے بتاؤ کہ میں تم سے نکاح کر سکتی ہوں یا نہیں۔ اگر شرع اور قانون کو توڑ کر تمھارا کہنا کروں تو نہ جانے اسکا کیا انجام ہو اور میرے ساتھ تم پر بھی کیا کیا آفتیں نازل ہوں۔ اور سب سے آخر میں یہ بھی سن لو کہ میں بیچاری زینب سے بہت شرمندہ ہوں، اُس کو یقیناً تم پر میرے مقابلہ میں زیادہ حق حاصل ہے، اور کسی وجہ سے نہ سہی صرف اس لئے کہ وہ جوان ہے اور مجھ سے کم صورت والی نہیں ہے، تو کیا ایسی صورت میں یہی بہتر نہیں ہے کہ ہم جس طرح لطف و کیف کے ساتھ محبت کی مدہوشی میں اوقات گزار رہے ہیں ابھی اسی طرح گزارتے رہیں؟ اگر زمانہ نے فرصت اور اجازت دی تو وہ بھی ہو رہے گا جس کے لئے ہم دونوں بے چین ہیں۔ صرف شرع و تمدن کے اعتبار سے میں تمھاری نہیں ہوں، ورنہ ساری دُنیا آج مجھے تمھاری سمجھ رہی ہے۔"

سائرہ کے چہرہ سے اس وقت غیر معمولی سنجیدگی اور تامل کا اظہار ہو رہا تھا، مشتاق بھی تھوڑی دیر کے لئے فکرمند اور مضمحل ہو گیا۔ لیکن چند منٹ کے بعد

کہنے لگا :-

"مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ چچا (عبدالکریم) کو اسپر کیا اعتراض ہو سکتا ہے کہ میری شادی تمھارے ساتھ ہو، ان کو اگر مجھے گود لینا ہی ہے تو وہ اس حالت میں بھی مجھے گود لے سکتے ہیں"

مشتاق نے کہنے کو تو یہ کہدیا لیکن اُس کا دل اُس کو ملامت کرنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ اُس کے اور سائرہ درمیان جو تعلقات پیدا ہو گئے ہیں اُن پر عبدالکریم کو بہت سخت اعتراض ہے، حالانکہ اس اعتراض کی کوئی معقول وجہ اُسکی سمجھ میں نہ آتی تھی۔

"خیر!" سائرہ نے جواب دیا "میری سمجھ میں تو آتا ہے کہ عبدالکریم کو اعتراض ہو سکتا ہے اور ہو گا۔ اور اگر اُن کو معلوم ہو جائے کہ تم بغیر میرے ساتھ شادی کئے ہوئے نہیں رہو گے تو شاید وہ تمھیں کبھی گود نہ لیں، جو عناد اُن کو کسی زمانہ میں تمھارے باپ کے ساتھ تھا وہی عناد اب خواہ مخواہ میرے ساتھ ہے۔ مگر للہ اب اس قصہ کو ختم کردو، اور مزے مزے کی پیار کی باتیں کرو، فی الحال یہی محبت کی باتیں ہماری صحبتوں کا حاصل ہیں۔

لیکن اب مشتاق گہری سوچ میں پڑ گیا تھا اور اسکا بحال ہونا مشکل تھا، وہ دور تک کی باتیں سوچنے لگا تھا۔ کل صبح عبدالکریم نے اُس کو بُلایا تھا۔ اُس کو معلوم تھا کہ عبدالکریم

اپنی ساری جائداد اُسکے نام لکھنے والے ہیں، اور وہ اُس کو اپنے لئے غیب کا سامان سمجھتا تھا، اُس کو ابھی تک یہ ارمان باقی تھا کہ وہ کسی طرح اپنا سلسلۂ تعلیم پھر جاری کر سکتا، اور ایم اے کرنے کے بعد اگر ممکن ہوتا تو تحقیق و تدقیق کے لئے ولایت جاتا اور وہاں سے کوئی بڑی سند لیکر واپس آتا - یہ ارمان وہ جانتا تھا کہ اس جنم میں پورا ہونے والا نہیں ہے اس لئے وہ اس کو اپنے دل میں دبائے ہوئے تھا - کچھ دنوں سے عبدالکریم نے اُسکے دبے ہوئے ارمانوں کو پھر اُبھار دیا تھا، اور سچ پوچھو تو وہ خواب دیکھنے لگا تھا - لیکن سب سے بڑی رُکاوٹ جو اس کی راہ میں تھی یہ تھی کہ عبدالکریم کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ مشتاق زینب کے ساتھ شادی کرے، ورنہ اس کو متبنی کرنے میں عبدالکریم کو تامل ہوگا -

مشتاق نے اس شرط پر ہاں یا نہیں کچھ نہیں کیا تھا اور اُس کو ابھی یہ اُمید تھی کہ وہ عبدالکریم کو راضی کر کے اس شرط کو منسوخ کرا لے گا - مگر اب اُس کا دل دھڑکنے لگا تھا، اور سائرہ کی باتوں سے وہ اندیشہ ناک ہوگیا تھا کہ عبدالکریم شاید اپنی یہ شرط واپس نہ لیں گے، اس کو اُلجھن ہونے لگی تھی کہ دیکھو عبدالکریم سے کل صبح کیا باتیں ہوتی ہیں۔ اب تک اُس نے عبدالکریم کی اس شرط کو سائرہ سے چھپا رکھا تھا - اور اُس نے اب بھی یہی مناسب سمجھا کہ سائرہ کو اس کی خبر نہ ہو - وہ دل میں مصمم ارادہ کر چکا تھا کہ عبدالکریم کی اس شرط کو کبھی منظور نہ کرے گا -

سائرہ دیر سے مشتاق کے چہرہ کو غور سے دیکھ رہی تھی جو یکایک اُس کو دھندلا نظر آنے لگا تھا، اور وہ اس کا سبب جانتی تھی۔ اُس نے کہا "دیکھو مشتاق! خواہ مخواہ کا ذکر چھیڑ کے خود بدمزہ ہو گئے اور مجھ کو بھی بدمزہ کر دیا۔ آؤ جب تک بہار و خزاں کی گردشیں ہم کو اسکی مہلت دئے ہوئے ہیں ہم ایک دوسرے کی محبت کریں اور اس محبت کو کامیاب بنائے رہیں:-

"خوش باش دمے کہ زندگانی این است"

اور محبت سے بہتر خوش ہونے اور خوش کرنے کا ذریعہ اور کون سا ہو سکتا ہے؟"

یہ کہکر سائرہ نے مشتاق کو سینہ سے لگا لیا، دونوں وسطِ باغ میں آہستہ آہستہ ٹہل رہے تھے، مشتاق کچھ کہنے ہی والا تھا کہ سائرہ نے جلدی سے اُس کا بازو پکڑ کر پیچھے گھسیٹ لیا۔ مشتاق کی داہنی طرف سے ایک بڑا سا کالا سانپ چلا آرہا تھا جس کو مشتاق نے نہیں دیکھا مگر سائرہ نے دیکھ لیا، اور اگر اُس نے کھینچکر روک نہ لیا ہوتا تو شاید مشتاق کا دوسرا قدم سانپ ہی پر پڑتا۔

شام ہو چکی تھی۔ مشتاق نے کہا "اب اس وقت یہاں ٹھہرنا خطرات سے خالی نہیں۔ نہ جانے کس کونے سے سانپ بچھو یا کون سا موت کا بہانہ نکلے اور ہم میں سے نہ جانے کس کو اپنا سارا جوشِ محبت لئے ہوئے اسکی نذر ہونا پڑے۔ دیکھو ایک ذرا سے انسان کو

ہلاک کرنے کے لئے کتنے سامان کئے گئے ہیں، قدم قدم پر ہمارے لئے موت کا جال بچھایا گیا ہے، ایسی آنی و فانی زندگی کی کوئی کیا آرزو کرے، اور کس دل سے آرزو کرے۔ موت کی فتح یقینی اور غیر مشروط ہے، پھر کس مُنہ سے کوئی محبت کا دم بھرے اور کتنے دن کے لئے۔ سائرہ! بعض اوقات تو محبت سے میں صرف اس لئے سرد دل ہونے لگتا ہوں کہ موت ایک روز اُس کو بھی مٹا کر رکھدے گی۔ تمھیں کہو کیا تم اس کالے "پیک اجل" کو دیکھنے کے بعد بھی بغیر کسی قسم کی ہیبت محسوس کئے ہوئے کچھ دیر اسی جگہ اسی دُھن اور محویت کے ساتھ مجھ سے محبت کی باتیں کر سکتی ہو؟ میرے لئے تو ناممکن ہے کہ میں اس جگہ رہوں اور مجھے یہ ڈر نہ لگا رہے کہ نہ جانے کس طرف سے پھر کوئی سانپ نکلے اور ہم میں سے کسی کو یا دونوں کو ڈس کر سارا قصہ پاک کر دے۔ ہاں اگر میں تم کو انتہائی جوش میں پیار بھی کرتا ہوں تو بھی مجھے ایسا معلوم ہوگا کہ موت ہم دونوں کے سر پر کھیل رہی ہے، یہ ہے محبت اور یہ ہے موت"۔

سائرہ نے کسی قدر طنز کے ساتھ کہا "اور یہ ہے مرد اور عورت کا فرق۔ میں نے بے اختیار ہو کر تم کو پیچھے ضرور کھینچ لیا اور شاید اسی لئے کہ سانپ کو میں نے بھی موت کا فرشتہ سمجھا۔ لیکن پھر اُس اضطراری حالت کے بعد میرے فرشتوں کو بھی موت کا خیال نہیں آیا۔ ہاں میں ساری عُمر اسی جگہ اسی حالت میں اسی خود فراموشی اور لاگ کے ساتھ تم کو

پیار کرتی رہ جاؤں اور مجھے کبھی موت کے خطرے کا احساس نہیں ہوگا۔ لیکن مجھے دوسرا وہم پیدا ہوگیا ہے، میں اس سانپ کو نہ جانے کیوں مجسم بدشگونی خیال کرنے لگی ہوں۔ اسی سانپ نے حوّا اور آدم میں تفرقہ ڈالا تھا اور دونوں کو فردوسی زندگی سے محروم کیا تھا۔ اسی سانپ نے آج عین اُس وقت ہماری گفتگو میں خلل ڈالا ہے جبکہ ہم دُنیا کی مصلحتوں کو محو کرکے محبت اور پیار کی باتیں کرنے جارہے تھے۔ اللہ خیر کرے۔ اس خیال سے البتہ میرا دل دھک دھک کر رہا ہے"

مشتاق نے مُسکرا کر سائرہ کو پیار کیا، لیکن اُس کی مُسکراہٹ زبردستی کی مُسکراہٹ معلوم ہوتی تھی، اور اُسکے پیار سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس طرح کوشش کرکے ان خیالات کو دبا ڈالنا چاہتا ہے جو اُس کی روح میں ایک تلاطم برپا کئے ہوئے ہیں۔

(۱۰)

چودھری عبدالکریم قرب وجوار میں سب سے بڑے رئیس گنے جاتے تھے۔ دولت وثروت میں محمد حاتم اور عبدالکریم ایک ٹکر کے تھے۔ لیکن محمد حاتم کی جائداد پر کچھ قرضہ بھی تھا، اور عبدالکریم پر ایک کوڑی کا بھی قرض نہیں تھا۔ اس اعتبار سے وہ محمد حاتم سے یقیناً دولتمند تھے۔

امیروں کی نفسیات بھی دُنیا سے نرالی ہوتی ہے۔ قاعدہ کی رُو سے اگر عبدالکریم کو

کسی سے بغض و عناد ہونا چاہیئے تھا تو وہ محمد حاتم تھا جو ہر طرح اُس کا حریف اور مدِ مقابل تھا۔ لیکن محمد حاتم سے اُس کے مراسم بہت اچھے تھے اور دشمنی کس سے تھی؟ مشتاق کے باپ سے، جو کبھی بھی انکے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ مشتاق کے باپ نے جب رشیدہ کے ساتھ شادی کرلی تو سب سے زیادہ طوفان انھیں نے اُٹھایا تھا، اور گانوں والوں اور برادری والوں کو انھیں نے بھڑکایا تھا، یہاں تک کہ بیچارے کو گھر چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔

لیکن اب ہر شخص کو تعجب تھا کہ کچھ عرصہ سے وہ مشتاق پر مہربان ہو گئے تھے اور اُسکی جگہ سائرہ سے بغض و کینہ رکھنے لگے تھے۔ عوام اس کو طبیعت کی لہر سمجھتے تھے لیکن دراصل اس میں بڑی گہری بات تھی۔

عبدالکریم نے دو دو شادیاں کیں، دونوں بیویاں موجود تھیں مگر اولاد کسی سے نہیں ہوئی۔ اس کا واقعی سبب کیا تھا؟ اسکے متعلق کسی کو صحیح علم نہیں۔ اتنا سب جانتے ہیں کہ وہ سارا الزام بیویوں کے سر تھوپ رہے تھے اور انھیں کو بانجھ سمجھ رہے تھے۔ چنانچہ اب کم و بیش پچپن ۵۵ سال کی عمر میں وہ تیسری شادی کی فکر میں تھے اور اسکے لئے اُن کا خیال رہ رہ کر سائرہ کی طرف جاتا تھا۔ اُن کو یقین تھا کہ محمد حاتم اب پلٹ کر واپس آنے والا نہیں ہے، اور بہت ممکن ہے اسکی موت کی خبر آئے۔

یہ سمجھ کر عبدالکریم نے سائرہ سے راہ و رسم پیدا کرنا چاہی، اور اس معاملہ میں سائرہ کی

آزاد روی اور بے پردگی نے انکی ہمت بڑھائی۔ اُنھوں نے سائرہ کے مکان پر آنا جانا شروع کیا۔ سائرہ نے اس کو اُنکی شفقت پر محمول کیا، وہ اُن سے پردہ کے آڑ سے باتیں کرتی تھی، مگر خاطر مدارات میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھتی تھی۔ لیکن بہت جلد اُس کو عبدالکریم کی نیت معلوم ہوگئی اور پھر اُسکے غصہ کی کوئی انتہا نہ تھی۔ عبدالکریم نے رفتہ رفتہ اُس سے اظہارِ عشق شروع کر دیا تھا۔ اول اول سائرہ نے مروت کے مارے کچھ نہیں کہا، مگر جب اُسکا ناک میں دم ہوگیا اور اُسکے دل میں یہ اندیشہ پیدا ہونے لگا کہ کہیں اُسکے سکوت سے عبدالکریم کوئی غلط نتیجہ نہ نکالیں اور اس سے زیادہ جسارت سے نہ پیش آنے لگیں تو ایک دن اُس نے بڑی سہولت اور آہستگی سے عبدالکریم کا سارا مغالطہ دور کر دیا، اُسی تاریخ سے سائرہ کے ساتھ عبدالکریم کا برتاؤ بدل گیا تھا۔ عبدالکریم سائرہ کی طرف سے ناامید نہیں ہوئے تھے، اُن کو پورا اعتماد تھا کہ وہ سائرہ کو راہ پر لگا لائیں گے۔

یہ سچ ہے کہ سائرہ دولت وثروت میں ان سے کم نہیں تھی مگر پھر بھی عورت ذات تھی اور کوئی مرد ایسا نہ تھا جو اس کا پشت پناہ ہوتا، عبدالکریم کو اپنی قوتوں پر اعتماد تھا اور اس لئے مطمئن تھے کہ سائرہ کو ایک نہ ایک دن کسی نہ کسی طریقہ سے اپنے قابو کی چیز کرلیں گے۔ وہ صرف اُس گھڑی کا انتظار کر رہے تھے کہ حاتم کی موت کی خبر آجائے اور سائرہ شرع کی رو سے آزاد ہو جائے، اُس وقت وہ اپنی ساری طاقت

اُس کو حاصل کرنے میں صرف کر دیں گے۔

لیکن اب مشتاق نے عبدالکریم کے راستہ میں پہاڑ حائل کر دیا تھا۔ مشتاق جوان تھا، حسین و جمیل تھا۔ عبدالکریم کی تدبیریں اسکے ہوتے ہوئے کارگر نہیں ہو سکتی تھیں لیکن آدمی دور اندیش اور صاحب تدبیر تھے اور جس کام کا ارادہ کر لیتے تھے اُس سے جلد مُنھ نہیں موڑتے تھے، چاہے اُنکے راستہ میں سنگین سے سنگین رکاوٹ کیوں نہو، بہت دو تک سوچنے سمجھنے کے بعد عبدالکریم اسی نتیجہ پر پہونچے کہ کوئی ایسی تدبیر اختیار کرنا چاہئے کہ سائرہ مشتاق سے ایکدم مایوس ہو جائے۔ اسکے بعد وہ خود بخود دوسرا اسہارا ڈھونڈے گی، اور اُس وقت اگر عبدالکریم نے مستقل مزاجی اور مصلحت سے کام لیا تو اُس کا رام ہو جانا کوئی بڑی بات نہ ہوگی۔ لیکن آخر مشتاق سائرہ سے کنارہ کش کیونکر ہو اور سائرہ کو مشتاق کی طرف سے مایوسی کیسے ہو؟ اب اسکی صرف ایک صورت عبدالکریم کی سمجھ میں آ رہی تھی اور وہ یہ تھی کہ مشتاق کسی طرح زینب سے شادی کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اور کسی طرف سے کسی قسم کا دباؤ مشتاق پر نہیں پڑ سکتا۔ اسی لئے آگا پیچھا سوچکر اُنھوں نے مشتاق کو گو دلینے کی یہ تدبیر سوچی تھی لیکن انکی سب سے بڑی شرط یہی تھی کہ مشتاق زینب سے شادی کرے۔

مشتاق ایک لمحہ کے لئے بھی اس خیال کو اپنے دل میں جگہ دینا نہیں چاہتا تھا

کہ اس کو کبھی ساںٔرہ سے کنارہ کش ہونا ہے یا کوئی اُس کو ساںٔرہ سے زبردستی چھڑا سکتا ہے۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عبد الکریم نے اس کو ایک نئی خلش میں مبتلا کر دیا تھا، وہ اُن لوگوں میں سے تھا جن کی عمر مستقبل کے خواب دیکھنے میں گزر جاتی ہے اور جن کے بہت کم خوابوں کی تعبیریں سچ ہوا کرتی ہیں۔

مشتاق بچپن سے شاعرانہ مذاق اور شاعرانہ معیار رکھتا تھا۔ اسکے خمیر میں شاعری تھی اور وہ اپنی زندگی کو سر بسر شاعری بنانا چاہتا تھا۔ اُس وقت سے جبکہ وہ نیچے درجوں میں پڑھتا تھا اب تک اُس کا صرف ایک نصب العین تھا اور وہ یہ کہ اُس کو اتنی استعداد ہو جائے کہ وہ دیہات میں ایک نہایت خوبصورت اور خوش وضع مکان بنوائے اور ایک مختصر سا کتب خانہ مہیا کر لے اور پھر اپنی ساری عمر فراغت کے ساتھ مطالعہ میں گزار دے لیکن سب سے پہلے وہ یہ چاہتا تھا کہ جی بھر کے پڑھ لے۔ اُسکے باپ کا مصمم ارادہ تھا کہ ایم اے کے بعد مشتاق کو ولایت بھیجے گا، مشتاق بھی اسکے لئے اپنے کو تیار کر رہا تھا اور اس خیال میں مگن تھا کہ اُس کا باپ اُسکی آرزوؤں کے موافق ہے۔ مگر تقدیر ناموافق ہو تو کوئی کیا کرے زمانہ کی ایک ہی گردش نے اُسکی آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا، باپ مر گیا، اور مشتاق کو ایف اے کے بعد سلسلہ تعلیم منقطع کر دینا پڑا۔

مشتاق اپنی قسمت پر صبر و شکر کر کے بیٹھ رہا تھا، لیکن اُسکے میلانات فطری

میں بڑے تھے، اُسکی آرزوئیں دب ضرور گئی تھیں لیکن مٹی نہیں تھیں۔ وہ اب بھی پہروں سوچا کرتا تھا کہ کس طرح ایم اے کرے۔ اب وہ ایم اے اس لئے کرنا چاہتا تھا کہ اسکے بعد وہ کسی کالج میں نوکری کرلے، اور پھر اس طرح اتنی رقم پس انداز کرلے کہ اواخر عمر میں گھر بیٹھ کر اپنی دیرینہ حسرت کو آسودہ کرسکے۔ مگر اسکے لئے اب تک کوئی صورت نہیں نکال سکا تھا۔

عبدالکریم نے ایک خوش آئند مستقبل مشتاق کی آنکھوں کے سامنے کر دیا تھا مشتاق کو یقین تھا کہ اگر عبدالکریم نے اسکو کو دے لیا اور کچھ اُن سے ملے یا نہ ملے کم سے کم اتنا تو ہو ہی جائے گا کہ وہ اپنا کاروبار اور نانی اور زینب کی نگرانی عبدالکریم کے سپرد کردے گا اور عبدالکریم کو کفیل بنا کر آگے پڑھنے کے لئے کھیر لیا جائے گا۔

لیکن عبدالکریم کی یہ شرط کہ وہ زینب سے شادی کرے اور جلد کرے اُسکے راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ وہ فی الحال اس معاملہ میں کوئی معاہدہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اب تو سائرہ کو بھی اُس نے اپنی آئندہ زندگی کے خیالی نقشہ میں ایک نمایاں جگہ دے رکھی تھی کاش اُسکے پاس تھوڑی سی دولت ہو جائے، وہ ایم اے کرلے اور پھر اپنے مذاق و طبیعت کے مطابق ایک مکان بنوا کر اسمیں دار میں رہے۔ ایک طرف کتابیں ہوں اور علم و ادب کی ضوفشانیاں، اور دوسری طرف سائرہ ہو اور حسن و محبت کی کیف انگیزیاں۔ پھر تو مشتاق یہ سمجھتا کہ جیتے جی اُس کو آدم کی گم شدہ فردوس مل گئی ہے۔ مگر عبدالکریم یہ

غیر معقول شرط پیش کرکے اُسکی زندگی کے نصف حصہ کو مفلوج کر دینا چاہتے تھے۔

مشتاق بڑے شش و پنج میں تھا۔ اکثر یہ سوچتا تھا کہ عبد الکریم سے صاف صاف انکار کردے۔ مگر پھر اسکو لالچ ہوتا کہ اتنا اچھا موقع ہاتھ سے نکل جائے گا تو اُسکی مُرادیں پھر کبھی پوری نہ ہوسکیں گی۔ بعض اوقات وہ اپنے دل میں سوال کرتا کہ کیا میری یہی آرزوئیں سائرہ نہیں پوری کرسکتی؟ سائرہ بھی عبد الکریم سے کم دولت والی نہیں ہے وہ بھی اگر چاہے تو مشتاق کے حوصلوں کو پورا کرسکتی ہے۔ اور وہ بہت بڑی حد تک ان کو پورا بھی کررہی تھی۔ کوئی مہینہ ایسا نہیں گزرتا تھا کہ وہ مشتاق کے لئے چالیس پچاس روپئے کی کتابیں نہ منگا دیتی ہو۔ اگر اُسکو معلوم ہوتا کہ مشتاق کو ایم۔ اے کرنے کی حسرت ہے تو وہ اپنی جان بیچکر اُس کو پڑھنے کے لئے بھیجدیتی۔ لیکن مشتاق نے کبھی سائرہ سے اپنی حسرت بیان نہیں کی۔ وہ سائرہ سے محبت کرتا تھا اور اُس سے مالی منفعت حاصل کرکے اپنی محبت کو گندی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ سائرہ خود بخود اُسکے لئے جتنا کچھ کر رہی تھی وہی مشتاق کو نادم رکھنے کے لئے کافی تھا۔ غرضکہ مشتاق عجیب چکر میں تھا۔

خیر! آج صبح کے وقت عبد الکریم نے آخری بار باتیں کرنے کے لئے اُسکو بلایا تھا۔ مشتاق یہ ارادہ کرکے چلا کہ آج آخری فیصلہ ہو جائے گا۔ وہ یہ طے کرچکا تھا کہ عبد الکریم سے زینب کے بارے میں کوئی قطعی معاہدہ نہیں کرے گا۔

عبدالکریم سے وہ اب تک صرف چار پانچ مرتبہ ملا تھا اور وہ بھی جب سے گود لینے کا قصہ چھڑا تھا۔ مشتاق یوں بھی بزرگوں کا بڑا ادب کرتا تھا، اور کبھی بیباکی اور بلند آہنگی کے ساتھ بڑوں کی کسی بات سے اختلاف نہ کرتا تھا، او پھر عبدالکریم کی کہنہ سالی اور مقطع ہیبت نے اور بھی اسکی گنجائش نہیں چھوڑی تھی کہ وہ ان سے آسانی کے ساتھ کسی بات میں اختلاف کرتا لیکن آج وہ اختلاف کرنے پر تُل کر آیا تھا، چاہے اس کا نتیجہ کچھ ہو اور چاہے عبدالکریم اسکے بعد اُسکے متعلق کچھ ہی رائے کیوں نہ قائم کریں۔

عبدالکریم نے مشتاق کو دیکھتے ہی بڑے تپاک اور شفقت کے ساتھ اپنے قریب بٹھایا اور تھوڑی دیر تک اُسکے بشرہ کا جائزہ لیتے رہے' اسکے بعد کہنے لگے :-

"مشتاق! میں نے تم کو بُلایا اس لئے ہے کہ تمھاری وجہ سے ابھی معاملہ ملتوی ہے تمھاری نانی نے اجازت دے دی ہے کہ میں تم کو گود لے لوں لیکن تم نے ابھی کوئی قطعی جواب نہیں دیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کو کون سا عذر ہو سکتا ہے؟ میں اس معاملہ کو جلد سے جلد طے کر دینا چاہتا ہوں۔ اسی لئے تم کو بُلایا ہے کہ آج تم ایک آخری فیصلہ کر کے "ہاں" یا "نہیں" میں جواب دو۔"

مشتاق ایک عزم کر چکا تھا اور وہ اُس سے پلٹ نہیں سکتا تھا۔ اُس نے آہستہ سے نہایت سُلجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میرے لئے اس سے بڑی خوش نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے

کہ آپ مجھے گود لے لیں اور مجھے آپ پر اور آپ کے اموال پر حقوق حاصل ہو جائیں۔ لیکن ذرا خود سوچیے کہ آپ جو یہ شرط لازمی قرار دیدیتے ہیں کہ میں زینب سے شادی کروں۔ یہ کہاں تک مناسب ہے۔ کسی کو پہلے سے اس طرح زنجیر میں کس دینا کہ پھر وہ اگر کبھی اپنی طبیعت کے موافق کسی طرف نقل و حرکت کرنا چاہے تو ناممکن ہو، آخر یہ کہاں کا انصاف ہے؟ میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے زینب سے شادی کرنے سے انکار ہے۔ میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ لیکن آئندہ نہ جانے زمانہ کیا رنگ بدلے اور کیسے کیسے واقعات رونما ہوں، ایسے وقت اور ایسے موقع کے لئے میں اپنے کو آزاد رکھنا چاہوں۔ فی الحال تو میں شادی کروں گا نہیں، میرا ارادہ ہے کہ میں ابھی اور پڑھوں، اور کم سے کم ایم اے کر لوں۔ اور سچ پوچھئے تو آپ کے گود لینے سے مجھے سب سے زیادہ فائدہ یہی پہونچے گا، اور اسی خیال سے مجھے بھی ترغیب ہوئی کہ آپکی خواہش کے مطابق سب باتیں طے ہو جائیں تو اچھا ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی شرط بیچ میں حائل ہے۔ مجھے اگر فوراً شادی کر لینا ہوتا تو بہت ممکن تھا زینب ہی سے شادی کرتا۔ لیکن میں ابھی اپنی مستقبل زندگی کے متعلق کوئی قطعی بات نہیں کہہ سکتا۔ مجھے نہیں معلوم میری آئندہ زندگی کی کیا صورت ہو گی۔ اس وقت مجھے صرف ایک دھن ہے اور وہ یہ کہ میں پھر پڑھنے چلا جاؤں۔ اگر میں شادی کر لوں تو میری متعلمانہ زندگی میں شاید الجھنیں پیدا ہو جائیں اور میں اطمینان کے ساتھ پڑھ نہ سکوں۔ اب جبکہ میں فی الحال شادی کرنا نہیں چاہتا ہوں تو یہ کہاں کی دانائی ہے کہ ابھی سے میں عہد کر لوں کہ

فلاں بنت فلاں سے شادی کرونگا' اس لئے اس معاملہ میں اس وقت مجھے معذور و مجبور سمجھئے، اس کے بعد جو مرضی ہو وہ کیجئے"۔

عبدالکریم کو مشتاق کی گفتگو کا انداز بہت بھلا معلوم ہوا۔ وہ یہ سمجھ گئے کہ اُس پر اس کا منتر نہیں چل سکتا۔ تھوڑی دیر تک وہ چپ رہے اور کچھ سوچتے رہے اسکے بعد کہنے لگے "میرا مطلب صرف یہ تھا کہ اگر تم نے زینب سے شادی کر لی اور میری جائداد تم کو مل گئی تو تمھارے ساتھ ایک مفلس و نادار اور مصیبت زدہ لڑکی کی زندگی بھی بن جائے گی، تم کو منظور نہیں ہے تو جانے دو"۔

مشتاق جانتا تھا کہ اُنھوں نے کس طرح اُسکے باپ کو ترک وطن کرنے پر مجبور کیا تھا، اور صرف اس لئے کہ اُنھوں نے ایک غیر ذات کی غریب وفادار لڑکی سے شادی کر لی تھی، آج وہی عبدالکریم زینب سے صرف اس لئے ہمدردی کر رہے تھے کہ وہ غریب اور مفلوک الحال ہے، اور صرف اسی لئے اُس کو اُسکے سر منڈھ رہے تھے مشتاق کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا کہ عبدالکریم کی اصل نیت کیا ہے۔ مگر اسکو عبدالکریم کی اس تبدیلی پر حیرت ضرور تھی۔

عبدالکریم نے بڑی بے نیازی اور کسی قدر طنز کے ساتھ بات ختم کر دی مشتاق نے اس کو محسوس کیا اور یہ کہتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا :۔

"مجھے صرف ایم اے کرنے کی ہوس ہے۔ مجھے خدا نے اتنا دیا ہے کہ میں خود اپنے خرچ سے ایم۔ اے کر لوں۔ لیکن میری ذمہ داریاں مجھے اتنی مہلت نہیں دیتیں کہ گھر چھوڑ کر باہر جاؤں۔ میرا خیال تھا کہ اگر آپ نے سنجیدگی کے ساتھ معاملہ پر غور کر کے مجھے کو دے لیا تو نہ صرف میری مالی دقتیں دور ہو جائیں گی بلکہ میں اطمینان اور اعتماد کے ساتھ اپنا گھر آپ کے سپرد کر کے علی گڈھ چلا جاؤں گا۔ لیکن آپ اس پر راضی معلوم نہیں ہوتے۔ خیر ابھی اور لوگ ایسے موجود ہیں جو خوشی کے ساتھ میرا بار اپنے سر لینے کے لئے تیار ہیں" اور حتی المقدور میری مدد کرنا چاہتے ہیں۔ میں آپ کے فیصلہ کا انتظار کر رہا تھا۔ اب مجھے دوسری طرف رجوع ہونا پڑا۔"

مشتاق نے بڑے پندار کے ساتھ یہ کہا تھا۔ اس کو نہیں معلوم کہ وہ کیا کہہ گیا اور عبدالکریم پر اس کا کیا اثر پڑا۔ اب تک مشتاق اور سائرہ کے درمیان جو تعلقات تھے اُنکی طرف نہ کبھی عبدالکریم نے اشارہ کیا تھا اور نہ مشتاق نے عبدالکریم کو اسکی طرف متوجہ کیا تھا۔ لیکن جس وقت مشتاق نے کہا "اب مجھے دوسری طرف رجوع ہونا ہے" تو یقیناً اُسکی مراد سائرہ سے تھی۔ اگرچہ وہ دل میں سمجھے ہوئے تھا کہ وہ اپنی کوئی غرض لیکر کبھی سائرہ کی طرف رجوع نہیں کر سکتا، وہ صرف انتہائے پندار میں یہ کہہ گیا تھا۔ عبدالکریم سمجھ گئے کہ مشتاق کا اشارہ کس طرف ہے، اور وہ دل ہی دل میں تلملا اُٹھے۔ اُن کے

خیالات دفعۃً پلٹ گئے، اُنھوں نے اپنے تیور سنبھال کر کہا :-

"میں نے یہ کب کہا کہ تم دوسروں کی طرف رجوع کرو، میں موجود ہوں، میرے ہوتے ہوئے تم کو اسکی کیا ضرورت ہے کہ تم کسی اور سے اپنی غرض وابستہ کرو- میرا کوئی وارث نہیں ہے- آخر مجھے کسی نہ کسی کو گود لینا ہے پھر وہ تمھیں کیوں نہ ہو- اب میری رائے یہ ہے کہ میں دو چار روز کے بعد اعلان کر دوں کہ میں نے تم کو گود لے لیا ہے اور وصیت نامہ تیار کرالوں جس کی رو سے اگر میں لاولد مروں تو میری کل جائداد تمھاری ہوگی، اور اگر اب کوئی اولاد ہو تو اس حالت میں بھی تم میری جائداد کے ایک چوتھائی حصہ کے مالک ہوگے- تم جلد سے جلد پڑھنے چلے جاؤ، میں تم کو خرچ بھیجتا رہوں گا اور اس کا انتظام کر دونگا کہ اگر میں تمھارے فارغ التحصیل ہونے سے پہلے مرجاؤں اور کوئی اولاد چھوڑ کر مروں تو تم کو تمھارا خرچ برابر جاتا رہے اور وہ اُس ایک چوتھائی میں محسوب ہو جو قانوناً تمھارا حق ہوگا- میں چاہتا ہوں کہ تمھارے اندر جو قدرتی جوہر موجود ہے وہ مٹنے نہ پائے- تم ابھی بچہ ہو، دُنیا کا سرد و گرم ابھی آزمایا نہیں ہے- وہ تو بڑی خیریت یہ ہے کہ تم کو علم و ادب کا ذوق بچپن سے ہے ورنہ تمھارا بہک کر خراب ہو جانا بہت معمولی بات ہوتی- خیر! تو اب یہ بات طے ہو چکی کہ میں دو چار روز کے اندر باضابطہ وصیت نامہ بناتا ہوں اور اپنے ارادہ کا اعلان کرتا ہوں، اور تم جلد سے جلد علی گڈھ جانے کی تیاری کرو۔

میں نے اپنی وہ شرط واپس لے لی، لیکن میری اس خواہش کو یاد رکھنا کہ اگر کوئی ہرج نہ ہو تو جہاں تک ممکن ہو زینب ہی کے ساتھ شادی کرنا، اُسکی بھی قسمت کھُل جائے۔ یہ نہ سمجھو کہ میں تم کو غارت کرنا چاہتا ہوں۔ نہیں! بلکہ تمھارے ساتھ اُس بیچاری کو بھی بنانا چاہتا ہوں۔ جاؤ! اب زیادہ کچھ کہنا سُننا نہیں ہے۔" یہ کہہ کر عبدالکریم نے بڑی شفقت کے ساتھ مشتاق کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اُسکو پیار کرکے رخصت کیا۔

مشتاق چلا گیا تو عبدالکریم سوچنے لگے "یہ بھی کچھ بُرا نہیں۔ فی الحال کسی طرح سائرہ کو مشتاق کی گرفت سے چھڑانا ہے۔ اسکے بعد مجھے سائرہ کو راہ پر لگانے میں شاید اتنی دُشواری نہ ہو، اور پھر اگر میں لاولد رہا تو مجھے آخر کسی کو تو گود لینا ہی پڑتا، اور چاروں طرف نظر دوڑاتا ہوں تو مشتاق سے بہتر لڑکا نہیں ملتا۔ کتنا بھولا، کتنا سعادتمند، کتنا ہونہار لڑکا ہے کہنے کو وہ رشیدہ کے پیٹ سے ہے، لیکن ہمارے خاندان میں ایسا ایک لڑکا نہیں جو اس کا پاسنگ بھی ہو۔ سات پشت سے ایسا لڑکا چودھری خاندان میں نہیں پیدا ہوا، یہ نہ جانے سائرہ کی نظر اُس کو کہاں لگ گئی ورنہ وہ مجسم معصومیت تھا۔ خیر! اس وقت میری دو غرض ہے، ایک تو کسی کو گود لے لینا، دوسرے سائرہ کو راہ راست پر لے آنا۔ ایک غرض تو انشاء اللہ کل تک پوری ہو جائے گی۔ میں باقاعدہ وکیل مختار اور گواہوں کے سامنے مشتاق کو گود لے لوں گا۔ رہ گیا سائرہ کو رام کرنا سو جب مشتاق بیچ میں نہیں رہے گا تو سائرہ کے اعصاب

ڈھیلے ہو جائیں گے اور وہ زیادہ مقاومت و مزاحمت نہ کرے گی"۔

عبدالکریم ایک طرف دل سے بھی یہ چاہ رہے تھے کہ مشتاق کو گود لے لیں، اور دوسری طرف سائرہ پر قابو پانے کے لئے چال بھی چل رہے تھے اور ایک ہی طریقہ سے اس وقت دونوں کام نکل رہے تھے۔ مشتاق کو وہ گود بھی لے رہے تھے اور اسکو اپنے راستے سے ہٹا بھی رہے تھے، اس سے بہتر صورت اور کیا ہو سکتی تھی۔ مشتاق ان ہتھکنڈوں سے بے خبر تھا۔

(۱۱)

شام کو سائرہ نے مشتاق کو کچھ مضمحل سا پایا۔ وہ جانتی تھی کہ صبح کو مشتاق عبدالکریم سے ملنے گیا تھا، اور اس میں شک نہیں کہ باوجود اسکے کہ عبدالکریم سے معاملہ خاطر خواہ طے ہو چکا تھا مشتاق عبدالکریم کے گھر سے کچھ افسردہ ہی لوٹا اور دن بھر افسردہ ہی رہا۔

سائرہ نے چند منٹ تک مشتاق کو غور سے دیکھا اور اسکے بعد کہنے لگی "کیوں مشتاق! خیریت تو ہے، یہ آج چہرہ اترا ہوا کیوں ہے، کیا عبدالکریم سے کچھ زیادہ ناگوار باتیں ہوئی ہیں؟"

"نہیں!" مشتاق نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا "ان سے بڑے مزے کی

گفتگو ہوئی اور تمام معاملات میری مرضی کے مطابق طے ہوئے، لیکن میں نہ جانے کیوں اتنا خوش نہیں ہوں جتنا کہ مجھے ہونا چاہیے، اور اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ تم اس خبر کو سن کر شاید ملول و دلگیر ہو جاؤ گی۔ عبدالکریم نے مجھے گود لے لیا ہے" اور یہ جان کر کہ مجھے ابھی ایم۔اے کرنے کا ارمان باقی ہے وہ یہ چاہتے ہیں کہ میں جلد سے جلد علی گڈھ چلا جاؤں۔ تم کم سے کم یہ تو جانتی ہو کہ پڑھنے کا سودا میرے سر سے کبھی گیا نہیں۔ مگر شاید تم کو اس کا صحیح اندازہ نہیں کہ میں کس حد تک پڑھنے کا سودائی ہوں۔ اگر جیتے جی میری یہ ایم۔اے کر کے گھر پہ سکون و اطمینان کے ساتھ رہنے کی حسرت پوری نہ ہوئی تو مرتے دم تک دل کی جلن بن کر باقی رہے گی۔ ہاں یہ "حسرت تعمیر" تو من مٹی کے نیچے بھی دب کر فنا نہ ہوگی"۔

سائرہ نے مشتاق کا کچھ مطلب سمجھا، کچھ نہیں سمجھا۔ اس لئے اُس نے کہا "ذرا تفصیل کے ساتھ گفتگو کرو۔ عبدالکریم سے تم سے کیا باتیں ہوئیں؟"۔

مشتاق نے سب کچھ اختصار کے ساتھ بیان کر دیا، مگر یہ نہیں بتایا کہ عبدالکریم کا اصرار ہے کہ وہ زینب کے ساتھ شادی کرے۔

سائرہ کا دل دھڑکنے لگا، مگر اُس نے اپنے کو سنبھالا۔ وہ جانتی تھی کہ عبدالکریم کون سی چال چل رہے ہیں۔ مگر وہ مشتاق کو اُس سے آگاہ کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اُس کو

یقین تھا کہ اگر مشتاق حقیقت سے خبردار ہو گیا تو ایک طرف تو وہ اپنا نقصان کرے گا
اور عبدالکریم سے کبھی سیدھی بات بھی نہ کرے گا اور اس طرح عبدالکریم کی دولت اُسکے
ہاتھ سے نکل جائے گی۔ دوسری طرف سائرہ کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ اگر مشتاق کو معلوم
ہو گیا کہ عبدالکریم سائرہ کے ساتھ کیا نیت رکھتے ہیں تو بہت ممکن ہے کہ اسکی وقعت و محبت
مشتاق کی نگاہوں میں کم ہو جائے، غرضکہ یہی سوچ سمجھ کر سائرہ نے ابتک مشتاق سے
عبدالکریم کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا اور آج بھی یہی مصلحت اندیشی اسکی زبان بند کئے
رہی۔ لیکن سب سے زیادہ سائرہ کو مشتاق کے بہبود کا خیال تھا۔

یہ سُن کر کہ مشتاق پھر پردیس جانا چاہتا ہے سائرہ کا دل بیٹھنے لگا اور قریب تھا
کہ بے قابو ہو جائے اور مشتاق سے ہاتھ جوڑ کر کہے کہ وہ اپنے ارادہ سے باز آجائے۔ مگر
اُس نے ضبط سے کام لیا اور اپنی اُمڈتی ہوئی طبیعت کو روکا، وہ روزِ اول ہی سے
خود کو مشتاق کی گنہگار سمجھ رہی تھی، اُس کا خیال تھا کہ وہ مشتاق کو بہکا رہی ہے اور
شاید اُس کو نقصان پہونچا رہی ہے مشتاق اُس سے عمر میں چھوٹا اور اُس سے کہیں زیادہ
جوان تھا۔ سائرہ ایک "باسی ہار" تھی جو صرف اُتار پھینکنے کی چیز ہوتا ہے۔ مشتاق ایک خوشگفتہ
کلی جو یکسر رنگ و بو ہو اور جس کو توڑ کر ہر شخص اپنے گلے کا ہار بنانا چاہے۔ سائرہ دل ہی دل
میں مشتاق سے نادم تھی، چنانچہ آج کی خبر سُن کر اُسکے دل پر جو کچھ بھی گزر رہی ہو اُس نے

اُس کو چھپا ڈالنے کی کوشش کی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ مشتاق کی ترقی کی راہ میں اُس کی ذات سے کوئی رُکاوٹ پیدا ہو، اور جس آرزو کو مشتاق اتنے دنوں سے اپنے دل کے خون سے سینچ رہا ہے وہ صرف اُسکی ذات سے پامال رہے۔

سائرہ بڑی دیر تک انھیں خیالات میں کھوئی رہی اور مشتاق کو کوئی جواب نہ دیا مشتاق دیکھ رہا تھا کہ سائرہ کا چہرہ کچھ پھیکا پڑ گیا اور وہ کسی سخت آزمایش میں مبتلا ہے۔ جب سائرہ کے سکوت کو بہت دیر ہو گئی تو مشتاق نے سائرہ سے قریب ہو کر اُسکے گلے میں باہیں ڈال دیں اور پیار سے کہنے لگا "کیوں تم کو اس کا ملال ہے کہ میں تم سے جدا ہونا چاہتا ہوں؟ سائرہ! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم ہنسی خوشی مجھے جانے کی اجازت نہ دوگی تو میں کہیں نہ جاؤں گا"

"نہیں نہیں!" سائرہ نے جلدی سے بات کاٹ کر کہا "یہ بھی کوئی بات ہے! تم ضرور جاؤ اور پڑھ کر اپنا حوصلہ پورا کرو۔ ظاہر ہے کہ مجھے تمھاری اور شاید تم کو میری جُدائی شاق گزرے گی۔ لیکن یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ صرف اس صدمہ سے بچنے کے لئے ساری دُنیا کے کام ترک کر دیئے جائیں، تم جاؤ اور اپنی ترقی کے اسباب فراہم کرو، تم کچھ عمر بھر کے لئے تو چھوٹ نہیں رہے ہو، زندگی ہے تو ہم پھر ملیں گے، اگرچہ میرا دل اندیشہ ناک بھی ہے خدا جانے اس وقت کیوں میرا جی یہ کہہ رہا ہے کہ اب تم مجھے کبھی نہیں ملو گے۔ مگر یہ میرا واہمہ ہے۔

اور تم بھی اس کو میرا واہمہ سمجھو۔ کاش! اس وقت میں شرعًا آزاد ہوتی تو تمھارے جانے سے پہلے تم سے شادی کر لیتی، اُسوقت جہاں تمھارا جی چاہتا جاتے مجھے پورا اطمینان رہتا۔ مگر خیر! جو بات نہیں ہو سکتی تھی اُسکے لئے جی کُڑھانا کیا معنی؟ اگر ہماری تقدیر میں پھر ملنا ہے تو ملیں گے اور اسی طرح ملیں گے۔"

"کیا کہوں"۔ مشتاق نے افسردہ لہجے میں کہا "میں بھی عرصہ سے یہی چاہتا ہوں کہ تم میری ہو جاؤ۔ مگر ان مجبوریوں کا کیا علاج جو میرے اور تمھارے درمیان حائل ہیں مگر میری پیاری سائرہ! میری طرف سے یہ اطمینان رکھو کہ میں تم سے کبھی خیال میں بھی بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ میں اس وقت جو خواب دیکھ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ میں ایم، اے کر لوں اور اتنی دولت حاصل کر لوں کہ ساری عمر اسی دیہات میں سکون اور بے فکری کے ساتھ گزار دوں۔ اور اب سب سے زیادہ یہ آرزو ہے کہ تم میری عمر بھر کی رفیق رہو، اس لئے کہ اب میں بغیر تمھارے اپنی زندگی کے پُر کیف ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اگر اب تمھارے سوا مجھے کوئی اور بیوی ملی تو تمھارے ساتھ جو کیف و سُرور کے لمحے گزر چکے ہیں صرف اُنکی یاد میری زندگی کو بے مزہ بنانے کے لئے کافی ہے۔ تو سُنا میری اچھی سائرہ! مجھے ہنسی خوشی جانے دو۔ میں تمھارا ہوں، جہاں جاؤنگا وہاں تمھارا ہی رہونگا، واپس آؤنگا تو تمھارا رہوں گا، اور اس درمیان میں چونکہ دونوں کو جُدائی کی چوٹ کا تجربہ بھی ہو چکے گا

اس لئے دونوں کی محبت زیادہ شدید اور گہری ہو جائے گی۔

"خیر! ایسے بلند آہنگ دعووں کی ضرورت نہیں" سائرہ نے جواب دیا "میں جانتی ہوں کہ میں تمھاری محبت کرتی ہوں اور تم بھی مجھے چاہنے لگے ہو۔ اتنا کافی ہے۔ میری بھی یہی حسرت ہے کہ خدا تمھاری ہر معقول آرزو پوری کرے۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ جب تم کو ایم۔ اے کرنے کی ایسی حسرت تھی تو مجھ سے تم نے کیوں نہ کہا، کیا میں تمھاری حسرت پوری نہیں کر سکتی تھی؟ کیا میری دولت تمھارے کام نہیں آ سکتی تھی؟ اگر تم مختصر سا مکان بنوا کر اور کتب خانہ فراہم کر کے یہاں رہنا چاہتے تھے تو کیا میں تمھارے لئے اتنا نہیں کر سکتی تھی؟ تم نے آخر عبدالکریم کے مقابلہ میں مجھے غیر کیوں سمجھا؟"

مشتاق نے سائرہ کا منھ چوم لیا۔ سائرہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

مشتاق نے کہا:- "سائرہ! مجھے معلوم تھا کہ تم میرے لئے اپنی ساری دولت لٹا دینے کے لئے تیار ہو جاؤ گی مگر میں دنیا کی زبان سے یہ سننا نہیں چاہتا تھا کہ میں محبت کے بہانے سے تمھاری دولت لوٹ رہا ہوں۔ یوں تو کہنے والے اب بھی یہی کہتے ہیں۔ لیکن اس وقت میرا ضمیر مجرم ہوتا"

سائرہ کی بڑی بڑی آنکھوں سے موتی برسنے لگے تھے۔ آج خلافِ معمول مشتاق بوس و کنار میں سبقت کر رہا تھا۔ سائرہ کا دل بیٹھا جا رہا تھا اور مشتاق کو پیار کرنے کیلئے

اُس کا جی نہیں اُبھرتا تھا اور اُسکی بیدلی اُس کے چہرہ سے نمایاں تھی۔
اس کو محسوس کر کے مشتاق نے کہا "اچھا آؤ آج جنگل جھاڑی کی سیر کریں،
تم افسردہ ہو رہی ہو وہاں تمھارا کچھ جی بہل جائے گا"۔
سائرہ نے اپنا چہرہ بشاش بنالیا اور کہنے لگی "نہیں مشتاق! میں خوش ہوں۔
یہ تو قدرتی بات ہے کہ جس شخص کو انسان اس قدر چاہتا ہے، اُس کی جُدائی کے خیال سے
تکلیف ہوتی ہے لیکن چند روزہ جُدائی سے محبت کہیں چلی جاتی ہے۔ میں اب اِس خیال
میں مگن رہوں گی کہ میرا مشتاق فارغ التحصیل ہو کر جلد واپس آئے گا اور پھر اسکے بعد
مجھ سے جیتے جی کبھی جُدا نہیں ہو گا۔ چلو اسوقت کہاں چلتے ہو میں تیار ہوں"۔
سائرہ کے قلب کی جو حالت تھی اُس کا دل خوب جانتا تھا۔ مگر مشتاق کو خوش
اور راضی رکھنے کے لئے اور یہ ثابت کرنے کے لئے کہ وہ اسکی بدخواہ نہیں ہے اُس نے
اپنی صورت کو شگفتہ بنالیا اور مشتاق سے پیار اور محبت کی باتیں کرنے لگی۔ اُس کو ڈر تھا
کہ اگر اُس نے اپنے تیور سے یہ ظاہر کیا کہ وہ مشتاق کو پردیس جانے دینا نہیں چاہتی
تو بہت ممکن ہے کہ مشتاق اپنے ارادہ سے باز آئے اور یہ مشتاق کے حق میں دشمنی ہوگی۔
مشتاق اور سائرہ دونوں آج کنور کوٹ کے احاطہ سے باہر ڈھاک کے جنگل
کی سیر کر رہے تھے۔ سائرہ کا دل رہ رہ کر بھاری ہونے لگتا تھا، مگر وہ اپنی طبیعت کو

سنبھالے ہوئے تھی اور مشتاق کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد مشتاق نے کہا "اب کہیں صاف جگہ تجویز کر کے بیٹھ جائیں۔"

دونوں ایک کھلی ہوئی جگہ گھاس پر بیٹھ گئے۔ مشتاق نے سائرہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا:۔

"سائرہ! نہ جانے کیوں آج تم ہر دن سے زیادہ جمیل معلوم ہو رہی ہو۔ تمھاری آنکھوں میں آج میں ایک سوگوارانہ دلکشی پا رہا ہوں اور خود اپنے اندر ایک ایسا ولولہ محسوس کر رہا ہوں جس کا اسے چند لمحہ پیشتر مجھے احساس نہیں ہوا تھا۔ اور بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ تم اس طرح میری آغوش میں آجاؤ اور اس طرح مجھے مدہوش کر دو کہ میں نہ پھر کبھی ہوش میں آؤں اور نہ تم کبھی پھر میری آغوش سے نکل سکو۔ تم اس وقت کسی وینس یا ڈائنا سے کم نہیں ہو، اور مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ اس وقت نہ صرف میں بلکہ کائنات کی ہر چیز تمھارے زیر نگیں ہے۔"

جنگل کی فضا میں سائرہ واقعی ایسی ہی معلوم ہوتی تھی۔ اُسکی صورت سے ایک حسین سوز و گداز کا اظہار ہو رہا تھا جو اس کو تمام حسینوں سے ممتاز کر رہا تھا۔ یوں تو سائرہ کے حُسن میں برابر ایک سوگوارانہ رنگ پایا جاتا تھا لیکن آج یہی رنگ اور بھی چمک اُٹھا تھا۔ مشتاق اُس کے اثر سے مغلوب ہو گیا تھا، اور آج اگر سائرہ چاہتی تو خفیف سے

خفیف اشارہ میں مشتاق سے یہ وعدہ لے سکتی تھی کہ وہ اس کو چھوڑ کر کہیں نہ جائے گا۔ اور
جب ایک بار مشتاق وعدہ کر دیتا تو عمر بھر اس کو نباہتا۔ لیکن سائرہ نے مشتاق کی کمزوری
سے فائدہ اٹھانا خلافِ محبت سمجھا اس لئے اُس نے بغیر کسی جوش کا اظہار کئے ہوئے
کہا "مشتاق! جہاں تک ارادہ اور اختیار کا تعلق ہے میں نے اپنے کو تمہاری آغوش کے
لئے وقف کر دیا ہے۔ یہ تم جانتے ہو کہ اگر تمہاری آغوش نہیں تو دُنیا میں میرے لئے
کوئی آغوش نہیں ہے۔ مگر میں چاہتی ہوں کہ تم اُس وقت تک اور صبر کرو جب تک کہ
تمہارے یہاں سے رخصت ہونے کی گھڑی نہ آجائے، اُس وقت میں اپنے کو تمہاری
آغوش کے حوالہ کر دوں گی، اور اگر تم چاہنا تو پھر مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی آغوش سے
جُدا نہ ہونے دینا۔"

"دیکھو سائرہ! میں تم کو آزردہ کر کے کہیں جانا گوارا نہیں کر سکتا۔" مشتاق نے
کہا "تم ابھی کہہ دو تو میں عمر بھر کے لئے اپنے ارادہ کو ترک کر سکتا ہوں۔"

"نہیں مشتاق! خدا کی قسم نہیں!" سائرہ نے مشتاق کے سر پر ہاتھ پھیر کر
جواب دیا "میری بھی دلی آرزو یہی ہے کہ تم ایم۔ اے تک پڑھ کے جلد سے جلد واپس
آؤ۔ میں بڑی بے چینی کے ساتھ تمہاری واپسی کا انتظار کروں گی اور اس بے چینی میں بھی
میرے لئے ایک روحانی لذت ہوگی۔ تم چلے جاؤ اور جس کام کے لئے جاؤ اُسکو جی لگا کر

پورا کرو، میری بہترین دُعائیں تمہارے ساتھ ہونگی۔"

مشتاق اب بے قابو ہوگیا اور سائرہ کو کھینچکر اپنی آغوش میں لے لیا اور دیر تک اُس سے لپٹا رہا۔ سائرہ بھی ضبط نہ کر سکی، وہ بہت دیر سے بھری بیٹھی تھی خوب جی کھول کر روئی۔ مشتاق کی آنکھیں بھی نم ہو گئی تھیں۔

(۱۲)

آج سے زیادہ سُہانا اور دلکش سماں شاید کنور کوٹ کے جوار کو کبھی نصیب نہیں ہوا۔ بھادوں کا آخری موسم تھا۔ ہر چیز جس قدر سرسبز و شاداب ہو سکتی تھی ہو چکی تھی۔ ہر چہار طرف تری و تازگی اپنی انتہا تک پہونچ گئی تھی۔ آج صبح بارش ہو کر کھل گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دُنیا نہا دھو کر نکھر گئی ہے اور کسی نئے روشن اور اُمید افزا مستقبل کے لئے تیار ہے۔

مشتاق کنور کوٹ کے احاطہ میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا کچھ سوچ رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں کہ وہ اس وقت کی دُنیا میں نہیں ہے اور واقعہ بھی یہی تھا۔ وہ اپنے اور سائرہ کے مشترکہ مستقبل میں محو تھا۔ عبدالکریم سے سب معاملات باضابطہ طے ہو چکے تھے۔ اُنھوں نے چند لوگوں کو جمع کر کے اعلان کر دیا تھا کہ اُنھوں نے مشتاق کو گود لے لیا ہے۔ وصیت نامہ کی کوئی جلدی نہیں تھی، اُس کو آئندہ پر اُٹھا رکھا گیا تھا لیکن

اُنھوں نے مشتاق کو یقین دلا دیا تھا کہ ہر کام اُس کی مرضی کے مطابق ہوگا اور اُس پر کسی قسم کی زبردستی نہیں کی جائے گی۔

جس دن سب معاملات طے ہوئے ہیں اُسی دن سے عبدالکریم مشتاق سے اصرار کر رہے تھے کہ اب وہ جلد سے جلد علی گڈھ چلا جائے۔ مشتاق نہ جانے کیوں ٹال رہا تھا۔ لیکن آخر کار اُس نے مجبور ہو کر اپنے جانے کی تاریخ مقرر کر لی، اور یہ تاریخ کل تھی۔ کل شام کی گاڑی سے وہ علی گڈھ جانے والا تھا۔

سائرہ کئی روز سے راتیں آصف پور میں بسر کر رہی تھی۔ وہ ابھی سے اپنے کو مشتاق کی جُدائی کا عادی بنا رہی تھی۔ اُس کا دل کہہ رہا تھا کہ مشتاق اُس سے عمر بھر کے لئے جُدا ہو رہا ہے اور وہ ابھی سے اس صدمہ کے لئے اپنے کو تیار کر رہی تھی۔ مشتاق سائرہ کی صورت اور اُس کی روش سے اُس کے دل کی حالت سمجھ رہا تھا۔ وہ سائرہ کو ہر طرح یقین دلا رہا تھا کہ وہ مرتے دم تک اُس کا رہے گا۔ سائرہ اسکے جواب میں کہتی "ہاں مشتاق! مجھے یقین ہے تم بار بار یہ کیوں کہتے ہو؟ تم جاؤ اور اطمینان کے ساتھ اپنی دیرینہ حسرت کو پوری کر دو۔ خدا کرے تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر واپس آؤ۔ اگر اُس وقت تک میں زندہ رہی تو ہماری پھر وہی محبت کی زندگی ہوگی۔ بلکہ بہت ممکن ہے اس سے اور زیادہ پائدار زندگی ہو۔" مگر سائرہ کے دل سے کوئی پوچھتا کہ وہ کیا سمجھ رہی ہے

اور اُس پر کیا گزر رہی ہے۔

آج سائرہ نے وعدہ کیا تھا کہ شام کو کنور کوٹ آئے گی اور مشتاق کے ساتھ الوداعی رات بسر کرے گی۔ مشتاق اُسکے انتظار میں گھڑیاں گن رہا تھا۔

چھ بجے شام کے قریب سائرہ آئی اور آتے ہی اپنے دل کی ہوکوں کو چھپانے کے لئے مشتاق کو پیار کرنے لگی۔ مشتاق سائرہ کی دلی کیفیت کو سمجھ رہا تھا اور سائرہ کے چہرہ سے اُس کے اندرونی کرب کا پتہ چل بھی رہا تھا۔ مشتاق نے چند منٹ کے سکوت کے بعد کہا "سائرہ! آج کی رات نہ جانے کب تک کے لئے ہم لوگوں کی آخری رات ہو، نہ جانے اب کیوں میرا دل افسردہ ہوا جا رہا ہے، جیسی افسردگی آج محسوس کر رہا ہوں کبھی عمر بھر نہیں محسوس کی ہے۔ آج نہ جانے کیوں جی چاہتا ہے کہ تم مجھ سے کہدو کہ نہ جاؤ اور میں نہ جاؤں۔"

سائرہ عزم کر چکی تھی کہ مشتاق کی راہ میں اپنی ذات سے خفیف سی رکاوٹ بھی پیدا نہیں کرے گی بلکہ اگر ضرورت ہو گی تو اُسکے حوصلے بڑھائے گی۔ اُس نے ہنستے ہوئے کہا "مشتاق! تم کیسی باتیں کرتے ہو؟ جس بات کا ارادہ کر چکے ہو اُس کو پورا کرو۔ میں تمھاری راہ دیکھتی رہونگی، میں کہہ چکی ہوں کہ میرے لئے اس انتظار میں بھی مزا ہے" اور پھر تم تعطیلوں میں بھی تو آتے ہی رہو گے۔ کم سے کم سال میں ایک بار تو آؤ گے ہی ۔ یہ چار برس کی مدت کوئی مدت نہیں ہے جو کاٹے نہ کٹے۔ پھر میں بہت خوش ہوں۔ کچھ

دنوں کے لئے مجھے اس خیال سے تکلیف ضرور ہو رہی تھی کہ تم مجھ سے جُدا ہو رہے ہو۔ مگر اب میں نہ صرف راضی ہوں بلکہ مجھے اصرار ہے کہ تم جاؤ اور اپنا مقصد حاصل کرو یقین مانو مجھے اب کوئی ملال نہیں، تم بھی خواہ مخواہ دل نہ کُڑھاؤ۔"

مشتاق نے سائرہ کو غور سے دیکھا اور تڑپ کر رہ گیا، اُس نے کبھی سائرہ کو بظاہر اتنا ہشاش نہیں دیکھا تھا، لیکن وہ جانتا تھا کہ اس بشاشت اور شگفتگی کی اصلیت کیا ہے۔ اگر اس کو ایم۔ اے کرنے کی اتنے دنوں سے تمنا نہ ہوتی تو شاید اُسی وقت وہ اپنا ارادہ فسخ کر دیتا۔

سائرہ رات بھر جاگتی اور کروٹ بدلتی رہی۔ مشتاق کو ایک بجے کے قریب نیند آگئی، مگر چار ہی بجے صبح کو اُسے ایسا معلوم ہوا کہ خواب میں کوئی زار زار رو رہا ہے۔ کروٹ بدل کر دیکھا تو سائرہ کی گھگھی بندھی ہوئی تھی۔ مشتاق نے اُٹھ کر سائرہ کو لپٹا لیا اور کہا "کیوں تم مجھے اسی طرح رخصت کروگی؟ اور اسی دل سے میری جُدائی گوارا کروگی؟ میں اب تو ہرگز نہ جاؤں گا۔"

سائرہ نے فوراً اپنے کو سنبھال کر کہا "دیکھو مشتاق! مجھ پر ظلم نہ کرو آخر میں بھی انسان ہی ہوں اور اپنی فطرت سے مجبور ہوں، میں تم کو جس بُری طرح چاہنے لگی ہوں اُس کا تقاضا یہی ہے کہ تم کو جانے بھی دوں اور تمھاری جُدائی کے خیال سے تڑپتی

بھی رہوں - نہیں نہیں! تم جاؤ گے اور اپنے کو کامیاب بناؤ گے - تمہاری کامیابی میری کامیابی ہے - اس میں شک نہیں کہ تم جب تک کامیاب ہو کر آنہیں جاؤ گے میری دُنیا سونی رہے گی - لیکن انسان ضرورتوں اور مصلحتوں سے مجبور ہے - میں اب صرف اس اُمید کے سہارے جیتی رہوں گی کہ تم واپس آجاؤ گے اور میری اُجڑی ہوئی دُنیا کو پھر گلزار بناؤ گے"

سائرہ نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور پھر ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگی - تھوڑی دیر کے بعد سائرہ مشتاق کے لئے ناشتہ تیار کرنے میں لگ گئی اور مشتاق اپنے سفر کے لئے کچھ سامان درست کرنے لگا -

صبح ہوتے ہوتے بارش شروع ہو گئی تھی اور اب موسلادھار پانی گر رہا تھا سائرہ باورچی خانہ میں کام کرتی جاتی تھی اور خسرو کے یہ اشعار گاتی جاتی تھی :-

ابر می بارد و من می شوم از یار جُدا　　چوں کنم دل بہ چنیں روز ز دلدار جُدا

ابر باران و من و یار ستادہ بہ وداع　　من جُدا گریہ کناں ابر جُدا یار جُدا

اتنے میں مشتاق آگیا، اُس نے سُن لیا تھا کہ سائرہ کیا گا رہی ہے، سائرہ رُک گئی - مشتاق نے سائرہ کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا "آج تمہارا بال بال رو رہا ہے، افسوس کہ اب ہر شخص نے جان لیا ہے کہ میں آج جا رہا ہوں ورنہ میرا اپنے ارادہ سے پلٹ جانا کوئی تعجب کی بات نہ ہوتی - اب اگر نہیں جاتا ہوں تو ہر شخص یہی سمجھے گا کہ تم نے مجھے بہکایا ہے

اور میں تمہارے پیچھے اپنا مستقبل خراب کر رہا ہوں - یہ کیا؟ تم تو پھر رو رہی ہو -"

سائرہ واقعی رو رہی تھی، مگر اُس نے کہا "نہیں تو! آنکھوں میں دُھواں لگ رہا ہے -" لیکن اُسکی آواز کہہ رہی تھی کہ وہ رو رہی ہے - مشتاق نے کہا "اچھا اسی دھن میں ان اشعار کو پھر سُناؤ! تم بھی روؤ اور میں بھی روؤں، میرا دل بھی بھرا چلا آ رہا ہے -"

سائرہ نے انکار کرنا چاہا مگر مشتاق اُسکے پیچھے پڑ گیا، سائرہ کو گانا پڑا لیکن تھوڑی ہی دیر میں اُسکی آواز بھرّا گئی اور وہ رونے لگی - مشتاق کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے، پھر دنوں مل کر خوب روئے - جب رو چکے تو سائرہ نے کہا "دیکھو مشتاق! اگر تم مجھے چھوڑ کر نہ جاتے ہوتے تو میرے اندر یہ درد کیسے پیدا ہوتا اور مجھے یہ اشعار کیوں یاد آتے؟ اس درد میں بھی بڑی کیفیت ہے، وہ بھی کوئی انسان ہے جس کا دل کبھی نہ دُکھے، رنج و الم سے راحت و انبساط کی لذت بڑھتی ہے، جدائی کا غم سہنے کے بعد ان صحبتوں کی قدر ہو گی اور آئندہ صحبتوں کا لطف دو نا ہو جائے گا -"

مشتاق نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا "سچ کہتی ہو! البتہ اس کا یقین ہونا چاہیئے کہ ہم غیبت میں بھی ایک دوسرے کو اسی طرح چاہتے رہیں گے اور پیمانِ محبت کو نہ بھولیں گے -"

"یہ تم پر منحصر ہے - میں تم سے بچھڑ کر کہاں جاؤں گی؟ تم نے تو مجھے بُری طرح

اپنا بنا لیا ہے، اگر تم مجھ سے نہیں بچھڑو گے تو ہماری محبت عمر بھر وہی رہیگی جو اسوقت ہے"۔

(۱۳)

مشتاق کے چلے جانے کے بعد سائرہ نے اطمینان کی سانس لینا شروع کی۔ اُسکے دل سے بہت بڑا بار اُتر گیا تھا، اُس کو اس خیال سے سکون تھا کہ اب کوئی یہ نہیں کہے گا کہ مشتاق کو سائرہ نے بہکایا اور خراب کیا، اور اگر کوئی کہے گا بھی تو اب اس کا ضمیر چٹکیاں نہیں لے گا۔

لیکن مشتاق سے یوں بچھڑ جانے کا اسکو معمولی صدمہ نہیں تھا، اُسکی دنیا واقعی سونی اور بے کیف ہو گئی تھی، کچھ دنوں کے لئے اس کو زندگی کا ایک سہارا مل گیا تھا جو اتنا جلد اُس سے پھر چھن گیا۔ لیکن اب مشتاق نہ تھا تو اُس کی جوانی پھر ایک بھولی ہوئی یاد ہو گئی تھی۔ مشتاق اپنے ساتھ اُسکی زندگی کی تمام کیفیتیں اور اُسکی جوانی کے تمام ولولے لیتا گیا تھا، اُس نے مشتاق کی فلاح و بہبود کے لئے اپنی ساری بہار لُٹا دی تھی اور اب اُسکے لئے کوئی ذریعہ کیف و نشاط کا باقی نہ تھا۔

سائرہ دن رات افسردہ و ملول رہنے لگی تھی، کسی کام میں اُس کا جی نہ لگتا تھا، علاقہ کی دیکھ بھال تو ایک طرف اب اس کو کھانے پینے کی بھی پروا نہ تھی۔ ہفتہ کا ہفتہ گزر جاتا اور بالوں میں کنگھی کرنے کے لئے اُس کا دل نہ اُبھرتا، راتوں کی نیند حرام

ہوگئی تھی، ساری رات اُسکی روتے گزرجاتی تھی، اور اسکی ان تمام بے چینیوں کا سبب صرف مشتاق کی جدائی تھی۔ یہ سچ ہے کہ مشتاق اس سے عمر بھر کے لئے نہیں چھوٹا تھا لیکن نہ جانے کیوں سائرہ کا دل یہی کہہ رہا تھا کہ اب مشتاق اس کو نہیں مل سکتا۔

سائرہ روز شام کو کنور کوٹ ضرور جاتی تھی اور وہاں مشتاق کی یاد میں گھنٹوں آنسو بہاتی رہ جاتی تھی۔ یہ اُس کا معمول ہوگیا تھا اور اس سے اُسکے دل کو بڑی تسکین ہوتی تھی۔ ایک دن شام کو وہ کنور کوٹ میں اپنی نامراد جوانی کا ماتم کر رہی تھی۔ کنور کوٹ کے ذرہ ذرہ سے مشتاق یاد آرہا تھا، اور مشتاق کی یاد آتے ہی اس کو اپنی جوانی کا خیال آجاتا تھا جو مفت چلی گئی، وہ یہ شعر پڑھتی جاتی تھی اور روتی جاتی تھی:۔

پھل اُٹھایا نہ زندگانی کا
نہ ملا کچھ مزا جوانی کا

جب وہ خوب جی بھر رو چکی اور اندھیرا اچھی طرح ہر طرف چھا گیا تو وہ اُٹھی اور آصف پور واپس جانے لگی۔ اتنے میں کسی نے نیچے سے آواز دی۔ ماما نے دوڑ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ عبدالکریم آئے ہیں اور سائرہ سے ملنا چاہتے ہیں۔ سائرہ پہلے تو کچھ گھبرا سی گئی، لیکن پھر اُس نے اپنے کو سنبھالا اور عبدالکریم کو اوپر بُلا لیا، اور خود دروازے کے آڑ میں ہو رہی، مگر اُسکا دل دھڑکنے لگا کہ دیکھو عبدالکریم اب کیا تازہ شگوفہ کھلاتے ہیں اور

اسکے لئے کون سا جال بچھاتے ہیں۔ سائرہ کو یقین ہوگیا تھا کہ یہ سب کچھ کیا دھرا انھیں بزرگ کا ہے اور انھوں نے مشتاق کو اس سے یوں چھڑا کر اپنے لئے راستہ صاف کیا ہے۔ لیکن سائرہ بھی ٹھان چکی تھی کہ جہاں تک ممکن ہو گا ان کے سایہ سے بھی بھاگتی رہے گی آج عبدالکریم کچھ ایسا بے موقع آدھمکے کہ وہ کوئی بہانہ نہ کر سکی اور ان سے ملتے ہی بنی۔

عبدالکریم آئے، سلام کہلا بھیجا۔ سائرہ نے سلام کا جواب دیا عبدالکریم نے پوچھا "کہو اچھی تو ہو؟ سنا ہے آجکل روز شام کو کنور کوٹ کی سیر رہتی ہے، تم لوگوں نے بھی کنور کوٹ کو کیسا چمن بنا رکھا ہے، کون جانتا تھا کہ اتنی مدت بعد اس کھنڈر کے دن یوں پھریں گے، مگر ایسی سیر گاہوں کا اکیلے لطف ہی کیا، تم تنہائی بری طرح محسوس کرتی ہو گی اور تمھارا جی اکیلے یہاں بہت گھبراتا ہو گا؟"

سائرہ کو معلوم ہو گیا کہ عبدالکریم اُسکے زخموں پر نمک چھڑکنا چاہتے ہیں اور اُن کو اپنی اس فتح پر ناز ہے۔ اس لئے اُس نے بات کاٹ کر کہا "میں تو سمجھی تھی کہ آپ کسی خاص کام سے مجھ سے ملنے آئے ہیں اور کسی معاملہ پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ مگر کیا آپ صرف میری خیریت دریافت کرنے نکلے تھے؟" سائرہ کے لہجے میں بھی بہت نمایاں طنز تھا جس کو عبدالکریم نے فوراً محسوس کر لیا۔ اُنھوں نے اپنے لہجہ کو بغیر بدلے ہوئے کہا "تم نے ٹھیک کہا میں کام ہی سے حاضر ہوا تھا اور مجھے واقعی ایک معاملہ پر تم سے

بات چیت کرنا تھی۔ میں نے جو کچھ کہا وہ بطور تمہید کے تھا۔"

"تو پھر اب اصل مطلب بھی کہہ ڈالیے۔" سائرہ نے اپنے طنز کو گستاخی کی حد تک بڑھا دیا، اُس کا دل بُری طرح جل رہا تھا اور عبدالکریم اس کو اور جلانا چاہتے تھے، سائرہ اسکی متحمل نہ ہو سکی، ورنہ وہ ایسی نہ تھی کہ عبدالکریم کی بزرگی کا لحاظ نہ کرتی۔

عبدالکریم نے سائرہ کے درشت و تلخ لب ولہجہ کی پروا نہ کی اور کہا "میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اب تم نے کیا سوچا ہے؟ مشتاق تو اب نے ہے نہیں اور نہ اب وہ کبھی تمھارے ہاتھے چڑھیں گے، کچھ دن خوب مزے کی گزر لی، تم خود اندھی بنی رہیں اور اُس کو بھی اندھا بنائے رکھا، لیکن اب وہ تمھارے پھندے سے نکل چکا ہے۔"

"لیکن یہ میرا اور مشتاق کا معاملہ ہے آپ اس میں بیکار مداخلت کی زحمت کیوں اُٹھا رہے ہیں؟ اگر کوئی بات کرنا ہو تو کیجیے۔" سائرہ نے اپنے غصہ کو روک کر کہا۔

"مگر تم کو کیا نہیں معلوم کہ اب مشتاق کا معاملہ میرا معاملہ ہے؟"۔ عبدالکریم نے اُسی تھمی ہوئی آواز میں کہنا شروع کیا "تم پوری بات سن لو پھر سوچ سمجھ کر جواب دینا، مشتاق کے آگے ابھی دُنیا پڑی ہے، وہ بڑا اخر دماغ ہے، اگر تمھارے پیچھے اپنی دُنیا برباد کر دے۔ اُسکی جوانی کی ابتدا ہے، تم اپنی جوانی کے آدھے سے زیادہ دن گزار چکی ہو اور بُری طرح گزار چکی ہو، اُسکی جوانی ابھی دہکتا ہوا انگارا ہے، تمھاری جوانی راکھ ہو چکی ہے، تم خود اسکو سمجھتی ہو

اور سمجھ کر اُس کو بہکاتی ہو، وہ ابھی ناتجربہ کار ہے، تمھارے دام میں آگیا۔ لیکن وہ ہمیشہ ناتجربہ کار نہیں رہے گا، وہ سوچے گا اور پچھتائے گا، اور اگر موقع ہوگا تو اپنی غلطی کو درست کریگا۔ تم اس وقت اُسکی جوانی پر پھولی ہوئی ہو اور اپنی جوانی کا غم اُسکی جوانی سے غلط کرنا چاہتی ہو۔ تم کو یہ خبر نہیں کہ جوانی کو جوانی کی جستجو ہوتی ہے۔ وہ تو نہ جانے کیوں زینب کو چھوڑ کر تم پر مائل ہو گیا۔ لیکن یہ میلان وقتی ہے۔ وہ تمھاری اعلیٰ تعلیم و تربیت سے مرعوب ہو گیا جو ہماری عورتوں میں نایاب ہے، اُس کو تمھارے ساتھ اگر کوئی اُنس ہے تو وہ شاعرانہ ہے۔ اس کو واقعی عشق کے جذبہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ٹھہرو میری بات بیچ سے نہ کاٹو۔ یہاں تک تو میں نے تم کو نیچا اونچا سمجھا دیا۔ اب تم کو شاید یہ سُن کر دھکا لگے کہ ہم لوگ اسپر تُلے ہوئے ہیں کہ مشتاق کی شادی زینب سے ہو جس سے وہ بچپن سے منسوب ہے۔ میں نے اسی لئے اپنا وصیت نامہ نہیں لکھا ہے۔ اُس میں ایک شرط یہ بھی ہو گی کہ اگر وہ تم سے شادی کرے تو اُس کو میری جائداد سے ایک کوڑی بھی نہ ملے"۔

سائرہ سے اب ضبط نہ ہو سکا اُس کو چکر سا آنے لگا تھا، اُس نے اپنی طبیعت کو قابو میں رکھ کر کہا "اور اگر مشتاق کو یہ شرط معلوم ہو جائے تو وہ آپ کی جائداد سے ایک کوڑی بھی نہ لے۔ مجھے پہلے سے معلوم تھا کہ آپ لوگ مجھ کو اور مشتاق کو دھوکا دے رہے ہیں۔ میں آپ کی چال کو خوب سمجھ رہی تھی۔ مجھے اگر مشتاق کی بہبود کا خیال نہ ہوتا تو میں بھی

دیکھتی کہ آپ اپنی چال کیسے چلتے ہیں؟ میں آج مشتاق کو لکھ دیتی ہوں، آپ مشتاق کو ایک حبّہ نہ دیجئے، اُنکے حق میں یہی بہتر ہوگا، آخر میری دولت اُن کے کام آنے کیلئے کیا کم ہے۔ میرا تو خیال ہے اُن کو خواہ مخواہ ایم اے کرنے کا سودا ہے، وہ گھر بیٹھے بھی اپنا مطالعہ وسیع کر سکتے ہیں۔ ملازمت کی اُن کو ضرورت ہی نہیں جس کے لئے اتنے دنوں تک پھر کالج میں سر کھپایا جائے۔ میں اُن کو لکھتی ہوں کہ وہ چلے آئیں اور مجھے کریم میاں کی گرفت سے بچائیں جو میرا گلا گھونٹ دینا چاہتے ہیں، میری ساری جائداد اُنکی ہے، وہ جتنا بڑا کتب خانہ چاہیں یہیں رکھ سکتے ہیں اور اس سے اپنے علمی حوصلوں کو پورا کر سکتے ہیں۔ اب میرا خیال ہے کہ آپ جو کچھ کہنا چاہتے تھے کہہ چکے، مجھے بھی دیر ہو رہی ہے، آصف پور جانا ہے کیا اب مجھے آپ معاف فرمائیں گے؟" سائرہ کے اندر ایک شورش مچ رہی تھی جس سے وہ بے قابو ہو رہی تھی۔

عبدالکریم نے اس پر ایک قہقہہ لگایا اور کہا "نہیں! ابھی میری بات ختم نہیں ہوئی ہے، تم نے جو کچھ کہا ہے وہ ایک خود غرض عورت کی آواز ہے جو اپنی جاتی ہوئی جوانی کو دوسرے کی جوانی کے زور سے پلٹانا چاہتی ہے۔ جو عورت اپنے سے کم عمر مرد کو گرویدہ بنانے کی کوشش کرے وہ بڑی پُرکار اور خود غرض ہوتی ہے۔ تم نے بڑی ہوشیاری کی کہ قبل اسکے کہ مشتاق کو کسی اور عورت کا خیال آئے اپنا جادو اُس پر ڈال دیا اور اُس نے

ناتجربہ کار ہونے کی وجہ سے تمہارے جادو کا اثر بُری طرح قبول کر لیا۔ لیکن تم کو دھوکا ہے مشتاق تمہارے قابو میں صرف اس لئے آگیا کہ تم تعلیم و تربیت والی ہو اور اس کو کسی دوسری عورت کا تجربہ نہیں ہے، تمہارا اُس کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ مشتاق نے اگر کبھی تم سے شادی کر لی تو بعد کو عمر بھر کچھ بدمزا سا رہے گا اور تم بھی پچھتاؤ گی۔ یہ ایک ایسے شخص کی رائے ہے جو دُنیا اور دُنیا کا رنگ دیکھے ہوئے ہے اور انسان کی فطرت کا تجربہ رکھتا ہے، اور اگر یہ نہ بھی ہو تو بھی تم ذرا اپنے گریبان میں سر ڈال کر سوچو کہ تمہارا فرض کیا ہے؟ تم کو مشتاق کے خیال سے شرم آنا چاہیئے، مشتاق تم سے زیادہ جوان اور رعنا عورت کا مستحق ہے، اور اس کو تم سے زیادہ جوان اور رعنا عورت مل بھی رہی ہے۔ زینب تم سے زیادہ حسین نہ سہی، وہ تمہاری طرح تربیت یافتہ، مہذب اور پرکار نہ سہی، لیکن کم سے کم تم سے زیادہ جوان تو ہے، اس لئے قطعًا وہ تم سے زیادہ مشتاق کی حقدار ہے۔ میں تم پر کوئی الزام دینا نہیں چاہتا۔ لیکن کم سے کم اتنا ضرور کہونگا کہ اگر تم واقعی مشتاق کو چاہتی ہو اور اُس کی بہبود کا تم کو خیال ہے تو اُسکے خیال سے باز آؤ اور اس کو دُنیائے علم و ادب کا ستارہ بن کر چمکنے دو۔ یہ سچ ہے کہ اگر تم نے اُس کو ذرا بھی ترغیب دی تو وہ سارا لکھنا پڑھنا چھوڑ کر چلا آئے گا اور تم پر اپنی آئندہ ترقیوں کو اندھوں کی طرح قربان کر دے گا۔ مگر مجھے تم سے اُمید ہے کہ تم اس کو کبھی گوارا نہیں کرو گی۔ اب رہ گیا یہ سوال کہ

مشتاق سے مُنھ موڑ کر تم کو کیا کرنا چاہئے اور کس کا سہارا لینا چاہئے، سو اِس کو تم بہتر سمجھ سکتی ہو، میں تمھارے لئے ہر وقت حاضر ہوں"

عبدالکریم نے اپنی بات ختم کر کے دیر تک سائرہ کے جواب کا انتظار کیا، مگر پردے کے آڑ سے کوئی جواب نہیں آیا، عبدالکریم کچھ پوچھنا ہی چاہتے تھے کہ اتنے میں سائرہ کی ماما اُدھر سے گزری اور پردہ کے اُس طرف پہونچکر چونک پڑی، سائرہ چارپائی پر آنکھیں بند کئے ہوئے پڑی تھی، اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اُس پر غشی طاری ہو رہی ہے۔ ماما نے شور کیا۔ عبدالکریم کچھ سٹ پٹا سے گئے اور کچھ رسمی ہدایتیں دے کر کنور کوٹ کی سرحد سے باہر ہو گئے۔

عبدالکریم کا آخری حربہ کارگر ہو گیا تھا اور سائرہ کا دل ڈوبنے لگا تھا۔ عبدالکریم نے اُس پر فتح پا لی تھی۔ ابھی تک سائرہ یہ سمجھ رہی تھی کہ وہ عبدالکریم کو نیچا دکھا دے گی اور اسی لئے وہ اُن سے مشتاق کے متعلق کھُل کر اور بیباک ہو کر باتیں کرنے لگی تھی۔ لیکن عبدالکریم نے تو اسکی ایسی کمزور رگ پکڑی کہ اُس نے وہیں سپر ڈالدی اور بے بس ہو کر رہ گئی۔ عبدالکریم نے سچ کہا اس کو مشتاق پر کوئی حق حاصل نہیں ہے اور یہ اسکی انتہائی خود غرضی اور نفس پرستی ہے کہ وہ اس کو اپنے قبضہ میں کئے ہوئے ہے۔ بہت ممکن ہے عبدالکریم کی پیشین گوئی سچ نکلے اور مشتاق آگے چل کر پچھتائے

سائرہ نے اس سے پہلے بھی اکثر ان باتوں پر غور کیا تھا، لیکن محض سرسری طور پر۔ وہ مشتاق میں کچھ اس طرح کھوئی ہوئی تھی کہ ان خیالات کو کوئی اہمیت نہ دی تھی۔ مگر آج؟ آج ایک دشمن کے چند جملوں نے اسکی آنکھوں سے پردے ہٹا دئے تھے اور وہ بُری طرح بیدار و ہوشیار ہوگئی تھی۔ وہ یہ محسوس کرنے لگی تھی کہ مشتاق اس سے عمر بھر کے لئے چھوٹ گیا ہے، اور جوانی سے جو کچھ حصہ اُسکے پاس باقی رہ گیا تھا وہ بھی اُسکے ہاتھ سے نکل گیا۔ سائرہ اسکی تاب نہ لاسکی اور اُس کا جی سنسنانے لگا۔ وہ کلیجہ تھام کر چارپائی پر لیٹ گئی اور پھر عبدالکریم کی کسی بات کا کوئی جواب نہ دے سکی۔ اُسکی ماما نے اُسکے چہرہ پر پانی چھڑکنا اور شور مچانا شروع کیا جس سے سائرہ نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ اُٹھ بیٹھی اور ماما کو ڈانٹ کر خاموش کیا۔

اُس روز سائرہ آصف پور نہ جاسکی اور ساری رات کنور کوٹ میں رہی۔ آج وہ اپنی اب تک کی زندگی پر تبصرہ کرنے بیٹھ گئی اور ہر پہلو پر پورے ضبط وتحمل اور بے نفسی کے ساتھ غور کرنے لگی۔ وہ جتنا ہی زیادہ غور کرتی تھی اُتنا ہی زیادہ اُس کو عبدالکریم کا کہنا سچ معلوم ہوتا تھا۔ وہ مشتاق کی کم سنی اور ناتجربہ کاری سے فائدہ اُٹھا رہی تھی۔ لیکن اس کے بعد وہ اپنے دل کا جائزہ لیتی تو وہ کسی طرح یہ بھی نہیں مان سکتی تھی کہ اس کو مشتاق کے ساتھ سچی محبت نہیں ہے۔ مشتاق کے نام پر جان دینے

کے لئے تیار تھی۔ لیکن اگر اسکی محبت اور فریفتگی مشتاقؔ کی حق تلفی کر رہی ہو تو؟ اگر وہ انتہائے محبت میں مشتاقؔ کو نقصان پہونچا رہی ہو تو اُس کا کیا فرض ہے؟ سائرہؔ کی طبیعت نے دفعتہً اس سے بغاوت کی اور آناً فاناً اُس کا خیال بدل گیا، جیسے اُس نے کوئی دوسرا جنم لے لیا ہو۔ اسکو مشتاقؔ کو چھوڑنا ہے، یہ سچ ہے کہ وہ مشتاقؔ سے پیمانِ محبت باندھ چکی ہے۔ لیکن جب اس پیمانِ محبت میں اسکے عزیز مشتاقؔ کے لئے خسرانِ دین و دُنیا کے سوا اور کچھ نہیں تو اُس کو نہ توڑنا گناہ ہے۔ مشتاقؔ کو اس سے صدمہ ضرور ہوگا مگر وہ اس صدمہ کو بہت جلد بھول جائے گا، اسکے لئے اور بھی دلچسپیاں ہیں۔ یوں بھی سائرہؔ اندازہ کر چکی تھی کہ مشتاقؔ اُسکی محبت میں اتنا سرگشتہ اور بے خود نہیں ہے جتنا کہ وہ خود مشتاقؔ کی محبت میں ہے۔ اسکو علم و ادب کا چسکا تھا اور اُسکی خیالی دُنیا بہت وسیع تھی جس میں سائرہؔ کی محبت اگر کھو کر رہ جائے تو کوئی حیرت کی بات نہ ہوگی۔ غرضکہ سائرہؔ کو یقین تھا کہ مشتاقؔ اس کو بہت جلد بھول جائے گا اور پھر اُس کو اُس سے کوئی شکایت باقی نہ رہے گی۔ مشتاقؔ کی افتادِ طبیعت ہی کچھ ایسی تھی۔

آدھی رات ہو گئی، سائرہؔ چارپائی پر ایک کل بیٹھی رہ گئی۔ اُس کی طبیعت بھری چلی آتی تھی اور اُس کے آنسو کسی طرح تھمتے نہیں تھے۔ وہ سوچ رہی تھی" مگر اب

میں کیا کروں، میں مشتاق کو اپنی زندگی کا سہارا سمجھنے لگی تھی۔ لیکن یہ سہارا بھی تنکے کا سہارا نکلا۔ اب میں کس کا سہارا لوں۔ مشتاق سے مجھے مشتاق ہی کے لئے کنارہ کشی ہونا ہے۔ آہ مشتاق! میرا دل کہہ رہا تھا کہ تم میرے نہیں ہو سکتے، اور وہی ہوا۔ تم وہاں بے خبر بیٹھے ہو، تمھیں کیا معلوم یہاں کیا ہو رہا ہے اور مجھپر کیا گزر رہی ہے مگر خیر! تم مجھے بے وفا اور دغا باز نہیں کہہ سکتے۔ میں تمھارے ہی لئے تم کو تج رہی ہوں خدا مجھے اپنی نیت میں ثابت قدم رکھے۔"

سائرہ سوچ رہی تھی کہ یا اللہ! ابھی وہ مشتاق سے جی بھر کے مل بھی نہ سکی تھی کہ مشتاق اُس سے یوں اجنبی ہو گیا، سچ ہے:-

یک نگاہِ آشنا کو بھی وفا کرتا نہیں
وا ہوئیں مژگاں کہ سبزہ سبزۂ بیگانہ تھا

مشتاق بات کی بات میں اُس سے بیگانہ ہو کر رہ گیا تھا۔ سائرہ مصمم ارادہ کر چکی تھی کہ اب وہ مشتاق کو بہکانے کی خفیف سے خفیف کوشش بھی نہ کرے گی۔ مگر اب وہ کرے گی کیا؟ سائرہ ساری رات اسی مسئلہ کو حل کرتی رہی اور صبح ہوتے ہوتے وہ ایک فیصلہ پر پہونچ گئی۔

---

(۱۴)

محبت نہ جانے کیوں ایک ایسا سرچشمہ سمجھا جاتا ہے جو کبھی سوکھتا نہیں، حالانکہ یہ سرچشمہ ایسا ہے جو ہر حال میں سوکھ جاتا ہے، اگر اس سے بہت زیادہ سیرابی حاصل ہو جائے تو بھی سوکھ جاتا ہے۔ اور اگر اس کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے تو بھی پڑے پڑے سوکھ جاتا ہے۔ غرضکہ زمانہ اور زمانہ کی فتح محبت پر بھی لازم ہے۔

کون کہتا ہے کہ محبت ایک ابدی لذت ہے۔ اس کو یا تو کسی نامراد سے پوچھو جس نے محبت کا روشن رُخ کبھی نہ دیکھا ہو اور اگر دیکھا ہو تو بہت جلد اُس سے محروم ہو گیا ہو۔ یا پھر اُس شخص سے پوچھو جس نے محبت کی تمام لذتیں حاصل کر لی ہوں اور جس کے لئے محبت میں کوئی لذت باقی نہ رہ گئی ہو۔ جس طرح دُنیا کا ہر واقعہ ایک بھولی ہوئی یاد ہو کر رہ جاتا ہے، اُسی طرح محبت بھی ایک بھولی ہوئی یاد ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور ایک زمانہ وہ بھی ہوتا ہے جبکہ یہ یاد نہ صرف غنیمت ہوتی ہے، بلکہ اصل محبت سے زیادہ پرکیف اور سکون پرور ہوتی ہے۔

سائرہ نے بھی اپنے کو تقدیر اور زمانہ کے حوالہ کر دیا تھا، اور سر تسلیم خم کر دیا تھا۔ یہ سچ ہے کہ وہ خود ہنسی خوشی مشتاق سے کنارہ کش ہوئی تھی لیکن حقیقتاً وہ مجبور تھی، بے بس تھی، اپنے مقدر سے، زمانہ سے، ہیئت اجتماعی سے۔ یا اُسکا مقدر

تھا جس نے اُس کو زندگی اور اُس کے کیف و نشاط سے یوں محروم کر دیا۔ یہ زمانہ تھا جس کے حادثات نے اسکے اور مشتاق کے درمیان ایک خلیج پیدا کر رکھی تھی۔ اور یہ ہیئت اجتماعی تھی جس نے مشتاق کو اُسکی دسترس سے باہر کر دیا تھا۔ دُنیا نے مشتاق کی محبت کو اُس کے لئے حرام قرار دے دیا تھا، آہ!۔

"جہان و اہلِ جہاں سے جہاں جہاں فریاد"

سائرہ ایسی عورت نہ تھی جو دُنیا اور دُنیا والوں کی پروا کرتی اور اپنی مسرتوں کو رائے عامہ پر قربان کرتی۔ مگر خود اُسکے دل میں شروع سے یہ چور موجود تھا کہ وہ مشتاق کو بہکا رہی ہے، اور اب روز بروز یہ چور زور پکڑتا جاتا تھا۔ سائرہ کو دُنیا نے یہی سمجھا رکھا تھا کہ وہ مشتاق کو بہکا رہی ہے۔ جب تک مشتاق آنکھوں کے سامنے تھا اُس وقت تک تو وہ مشتاق میں ایسی محو اور بے خود تھی کہ اُس کو کسی بات کا ہوش نہ تھا، لیکن اب مشتاق پاس نہیں تھا جو اُس سے سوچنے اور سمجھنے کی قوت سلب کئے رہتا، اُس نے ہر بات پر سنجیدگی اور متانت سے غور کیا تو وہ واقعی اپنی ذات سے شرمانے لگی۔ اس کو مشتاق کی محبت کرنے اور اُس کو اپنا بنانے کا کیا حق ہے؟ خاصکر جبکہ اُس سے مشتاق کو صریحاً نقصان پہونچنے والا ہو۔ سائرہ نے اپنے دل میں یہ تہیہ کر لیا تھا کہ مشتاق سے دستکش رہے گی اور اس کی وہ تدبیر بھی سوچ چکی تھی جس کا علم کسی اور کو نہ تھا۔

مشتاق کی دوری نے سائرہ کی بڑی مدد کی۔ اگر مشتاق قریب ہوتا تو سائرہ اس قابل نہ رہتی کہ اپنے ارادے کو پورا کر دکھاتی، اور جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا تھا سائرہ کا ارادہ اور بھی پختہ ہوتا جاتا تھا۔ صبر و تحمل نام ہے اپنی مجبوریوں کے آگے سر جھکانے کا۔ جب تک آپ میں سرکشی اور انحراف کی صلاحیت باقی ہے اس وقت تک صبر و قرار کا نام نہ لیجیے۔ جہاں آپ نے اپنے کو معذور سمجھا اور سمجھ کر اپنے کو واقعات کے حوالہ کر دیا وہیں آپ کے دل میں صبر و قرار بھی آگیا۔ سائرہ نے بھی اپنے دل میں یہ سمجھ لیا تھا کہ مشتاق اُسکے لئے نہیں ہے، یہ ممکن ہے کہ وقتی جوش اور ہیجان سے اندھا ہو کر مشتاق اُسکے ساتھ شادی کرلے۔ لیکن اب نہ جانے سائرہ کو کیوں یقین ہو گیا تھا کہ یہ مشتاق کی جوانی کی حق تلفی ہوگی جس پر مشتاق کبھی نہ کبھی ضرور پچھتائے گا۔ مگر سائرہ نے اپنے مستقبل کے متعلق کیا سوچا تھا؟ آخر مشتاق جب آئے گا تو اُس سے اُس کا کیا برتاؤ رہے گا، اور وہ اُس کو کیا جواب دے گی؟ یہ سائرہ کے دل کی باتیں تھیں جن کا علم کسی دوسرے کو نہیں تھا۔

(۱۵)

پھاگن کا مہینہ تھا۔ یہ وہ مہینہ ہوتا ہے جبکہ دُنیا اپنے ماضی کو بھول کر ایک نئے مستقبل کا سامان کرنے لگتی ہے جو پہلے سے زیادہ روشن، پہلے سے زیادہ

شگفتہ اور پہلے سے زیادہ پُرکیف معلوم ہوتا ہے، ہر طرف تر و تازگی اور نشاط و نمو کے آثار رونما ہونے لگتے ہیں، اور پچھلی افسردگی و بے کیفی آہستہ آہستہ صفحۂ ہستی سے اپنا تسلط ہٹا لیتی ہے۔ سائرہ بھی اپنے کو ایک نئے مستقبل کیلئے تیار کر رہی تھی لیکن کیا یہ مستقبل اس کے لئے زیادہ خوش آئند اور زندگی بخش ثابت ہوگا؟ کیا دنیائے فطرت کے ساتھ ساتھ وہ بھی اپنی خزاں کو بہار سے بدل رہی تھی؟ کیا اُسکی آنے والی زندگی ان لمحات سے زیادہ طربناک اور پرسکون ہوگی جو مشتاق کے ساتھ گزر چکے تھے اور جو اب خواب و خیال کی باتوں سے زیادہ اصلیت نہ رکھتے تھے؟ ان سوالات کا ابھی سے کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ سائرہ کو اب اسکی پروا نہ تھی کہ اُس کا مستقبل کیا ہوگا اور کیسا ہوگا، وہ سرد مہری اور بے حوصلگی کی اُس منزل تک پہونچ گئی تھی جہاں "مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو" کا فلسفہ رائج ہے۔

مقدر کی چھیڑ بھی بعض وقت عبرتناک ہوتی ہے۔ مشتاق کو گئے ہوئے ابھی چھ ہی مہینے ہوئے تھے کہ سائرہ کو وہ خبر ملی جو اگر اب سے چند ماہ پہلے ملی ہوتی تو اُسکے لئے خطِ آزادی اور نویدِ زندگی و مسرت ہوتی۔ اللہ! اللہ! مشتاق نے اور مشتاق کیسا تھا سائرہ نے اس گھڑی اور اس خبر کا کس بے چینی کے ساتھ انتظار کیا تھا لیکن اب سائرہ کے لئے اس خبر میں درا صل کچھ نہ تھا، کیونکہ جہاں تک اسکی زندگی کا تعلق تھا وہاں تک

اب اس کے لئے آزادی اور قید و بند یکساں تھی۔

حاتم کی موت کی خبر سائرہ کو ملی تو اُس پر کوئی اثر نہ ہُوا، سوا اس کے کہ اسکی تلخیوں اور ناکامیوں کا احساس غیر معمولی طور سے بڑھ گیا، اس کو اپنی بھولی ہوئی نامرادیاں بھی یاد آنے لگیں اور وہ اُن کو یاد کر کے خون کے آنسو رونے لگی۔ اگر اب سے پہلے اُسکو یہی اطلاع ملی ہوتی تو اُسکی اُمیدوں اور مُسرتوں کی کوئی انتہا نہ ہوتی، اور اب؟ یہ سچ ہے کہ اب بھی اگر وہ خود مشتاق کی بھلائی کے لئے مشتاق سے مُنھ نہ پھیرے تو شاید مشتاق میں کوئی تبدیلی نہ ہو اور وہ اُسکے ساتھ شادی کر کے اُسکی زندگی کو جوانی کی زندگی بنا دے۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ سائرہ خود مشتاق سے برگشتہ ہو چلی تھی، اور کچھ اپنے لئے نہیں بلکہ مشتاق ہی کے لئے۔ اُس کی حسرتیں اور اُمنگیں اب بھی وہی تھیں جن کو وہ عمر بھر دل ہی دل میں بار رکھنے اور مرتے دم ساتھ لے جانے کا مصمم ارادہ کر چکی تھی۔

مشتاق اور سائرہ کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ پہلے تو مشتاق کے محبت ناموں کا جواب دل کھول کر دیتی تھی۔ لیکن جب سے عبدالکریم سے اُس دن وہ باتیں ہوئیں جن کی بدولت سائرہ نے انتہائے یاس و بیزاری میں مشتاق کو چھوڑ دینے کا ارادہ کر لیا، اُس وقت سے کبھی اُس نے مشتاق کو سچے دل سے خط نہیں لکھا۔ وہ

اب مشتاق کے خطوں کا جواب محض مروت میں لکھتی تھی، اور اسکی تحریروں میں اگلے سے تپاک اور گرویدگی کا پتہ نہ تھا، مشتاق نے اس کو محسوس کیا اور کئی خطوں میں اسکی شکایت بھی کی کہ اب اس کے خطوں میں وہ تڑپ اور بے چینی نہیں ہوتی۔ سائرہ نے اس سے تجاہل کیا، اور مشتاق کو اسکے بارے میں کبھی ایک حرف بھی نہ لکھا۔

لیکن اب مشتاق دو چار مہینوں کے اندر چھٹیوں میں آنے والا تھا۔ سائرہ کو مشتاق سے بچنے کے لئے جو کچھ کرنا تھا اس کو اسی عرصہ میں ہو جانا چاہئے تھا۔ سائرہ رات دن اسی فکر میں گھل رہی تھی۔ آخر کار اس نے ایک روز اپنا دل مضبوط کر کے اپنے ذہن میں ایک تاریخ مقرر کر لی جبکہ اسکی زندگی کا آخری فیصلہ ہوگا، اور اب اس کا وقت آگیا تھا کہ سائرہ مشتاق کو تمام حالات سے بے کم و کاست آگاہ کر دے۔ چنانچہ اس نے مشتاق کو رات کے وقت بیٹھ کر ایک طویل خط لکھا جو مشتاق کے نام اس کا آخری نامۂ عشق تھا۔ خط یہ تھا:۔

"پیارے مشتاق! تم عرصہ سے شکایت کر رہے ہو کہ میری تحریروں میں اب وہ جوش اضطراب اور خروش تمنا نہیں پایا جاتا جو محبت کی ایک لازمی علامت ہے، اور جو اب سے پہلے میرے خطوں میں برابر پایا جاتا تھا۔ میں نے تمھاری اس شکایت کا کبھی کوئی جواب نہیں دیا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ واقعہ بھی یہی تھا جس کو میں کھلے الفاظ میں تم سے اعتراف کرنا نہیں

چاہتی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ جب کبھی تم سے شعر و شاعری پر گفتگو ہوتی تھی تو تم حالی کا یہ

شعر اکثر پڑھا کرتے تھے:۔

بے قراری تھی سب اُمیدِ ملاقات کے ساتھ

اب وہ اگلی سی درازی شبِ ہجراں میں نہیں

تم کو یہ شعر صرف اس لئے پسند تھا اور صرف اس لئے یاد آتا تھا کہ تم اس کو شاعری کے

بہترین نمونوں میں شمار کرتے تھے۔ مجھے آج یہ شعر یاد آرہا ہے، اس لئے کہ اسمیں میری حالت

کا اجمالی مگر صحیح بیان ہے۔ تم اگر اسکی تفصیل چاہتے ہو تو سُنو!:۔

تم اب اسکو مانو یا نہ مانو مگر میں اپنی سی کہے جاؤنگی کہ میں نے زندگی میں صرف تمھیں

چاہا، تم کو دیکھنے سے پہلے مجھے کوئی جوانی کا احساس ہوا نہ محبت کا تجربہ۔ تم نے مجھے

محبت کا سبق دیا اور تم سے مجھے جوانی کی لذت ملی۔ میں تمھارا خواب دیکھ رہی تھی، اور یہ

خواب کیفیتوں سے معمور تھا لیکن نہ جانے کیوں مجھے یہ خیال ستانے لگا کہ مجھے تم سے جو محبت

پیدا ہو گئی ہے وہ محبت نہیں بلکہ خود غرضی ہے اور میں دراصل تم کو خراب کر کے اپنی جوانی

کی کھوئی ہوئی لذتیں حاصل کرنا چاہتی ہوں، دُنیا نے اپنے تیور اور انداز سے میرے اس خیال

کو اور بھی مضبوط بنا دیا تھا۔ تمھارے عزیز و اقارب اور تمھارے احباب کا یہ خیال ہے کہ

اگر تم نے میرے ساتھ شادی کی تو تمھاری جوانی مٹی میں مل جائیگی اور تم کو بہت جلد

اس کا احساس ہو جائے گا۔ اور پھر تم کو اپنی زندگی شاید بدمزہ معلوم ہونے لگے، خود مجھے بھی اکثر یہ وہم ستاتا رہا ہے لیکن میں نے تم سے اسکا اظہار نہیں کیا۔ میں اسکو گوارا نہیں کر سکتی کہ اپنے جذبات سے اندھی ہو کر تم کو نقصان پہونچاؤں۔ دُنیا ٹھیک سمجھ رہی ہے کہ تمھارے لئے بہترین بیوی زینب ہے، میں بھی اسکو مانتی ہوں، میرے چلنے زینب بیچاری کو اپنے ارمانوں کا خون کرنا پڑا۔ مجھے معتبر طریقہ سے معلوم ہوا ہے کہ وہ تم پر جان دیتی ہے اور اُس کو تمھاری حسرت ہے۔ اگرچہ وہ اب تمھاری طرف سے مایوس ہو چکی ہے۔ جاؤ مشتاق! تمھارے لئے بہترین جگہ زینب کی آغوش ہے جو شباب اور محبت کی سرشاریوں سے بھری ہوئی ہے۔ میرے پاس کیا رہا ہے۔

شاید تم کو معلوم نہیں کہ میرا شوہر مر چکا ہے اور جب مجھے اسکی اطلاع مل چکی ہے مجھے اس خبر سے کتنا اطمینان ہونا چاہئے تھا لیکن اُلٹے اس نے میری جراحتوں پر تیزاب کا کام کیا۔ جب تم ہی نہیں تو میرا آزاد ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہے۔ میں جانتی ہوں کہ تم مجھپر الزام دوگے کہ مجھے بیوفا، دغاباز، مطلب پرست اور نہ جانے کیا کیا کہوگے۔ مجھے سب گوارا ہے، لیکن تمھاری خرابی اور بربادی گوارا نہیں۔ میں اب بھی کہتی ہوں اور بلند آواز سے کہتی ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے اور صرف تم سے محبت ہے، اور یہ اسی کا ثبوت ہے کہ آج میں خود اپنی رضامندی سے تم کو چھوڑ رہی ہوں۔ اسلئے کہ تمھاری فلاح اسی میں ہے۔

مشتاق! یہ میرا آخری فیصلہ ہے اور تم مجھے اب اپنے ارادہ سے ہٹانے کی بے کار کوشش نہ کرنا۔ میں بہت جلد اپنی تیرہ بختی کو اُسکی انتہا تک پہونچا دینے والی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم دو چار مہینے کے اندر آرہے ہو۔ قبل اس کے کہ تم یہاں پہونچو میں وہاں پہونچ جاؤنگی جہاں سے تم مجھے کبھی کسی طرح واپس نہیں لاسکتے۔ میں غالباً ہفتہ عشرہ کے اندر شادی کر لونگی اور پھر نہ میں اپنے اختیار کی رہونگی نہ تمھارے۔ تم یہ جاننے کیلئے بیتاب ہوگے کہ وہ کون ایسا خوش نصیب ہے جس کو میں اپنی زندگی حوالہ کر رہی ہوں۔ مشتاق! وہ خوش نصیب ہو یا نہ ہو مگر اس میں شک نہیں کہ اُس کو بڑی بد نصیب بیوی سے پالا پڑے گا، اس لئے کہ میرے اندر اب سرور و نشاط کی کوئی صلاحیت باقی نہیں ہے۔ میں شادی صرف اس لئے کر رہی ہوں کہ تمھاری طرف سے کسی قسم کی مداخلت کی کوئی گنجائش باقی نہ رہ جائے اور میری زندگی کے باقی ماندہ دن کسی نہ کسی طرح گزر جائیں۔

مشتاق! میں نے صرف تم کو چاہا۔ لیکن میرے چاہنے والے بہت تھے۔ اُن چاہنے والوں میں میاں عبدالکریم خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

اب تک تم سے بہتیرے واقعات چھپائے رہی ہوں۔ اُن میں سے ایک واقعہ میرے ساتھ عبدالکریم میاں کا عشق بھی تھا، وہ میرے ساتھ شادی کرنا چاہتے تھے۔ ذرا اس

حوصلہ وجسارت پر بھی غور کرنا - وہ مجھے یہ الزام دے رہے ہیں کہ میں تم پر صرف اس لئے مائل ہو گئی ہوں کہ تم مجھ سے زیادہ جوان ہو اور مجھ کو زیادہ جوان بنا سکتے ہو۔ لیکن ذرا انکی ہوس کا بھی اندازہ کرو، یہ پچاس برس کی عمر لیکر مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو انکو کیا الزام دیا جائے۔ کیا وہ بھی میری جوانی کے برتے پر زیادہ جوان ہونیکی فکر میں ہیں؟ -

خیر! تو انھوں نے ہر طرح اسکی کوشش کی کہ میں انکے دام میں آجاؤں، انھیں نے تم کو مجھ سے چھڑایا، میں انکی چال کو سمجھ رہی تھی اور اسی لئے تمھارے جانے کے خیال سے میرا دل بیٹھا جا رہا تھا - ابھی چند ماہ پہلے اُن سے مجھ سے بڑی دیر تک گفتگو رہی ہے، وہ اپنی تُلے ہوئے ہیں کہ اگر تم نے مجھ سے شادی کی تو وہ تمھارا خرچ بند کر دیں گے اور تم کو اپنی جائداد سے ایک حبہ بھی نہ دیں گے - مجھے یقین ہے کہ تم میرے لئے اُن کی دولت کیا ساری دُنیا پر لات مار دو گے - اور اگر مجھے پا کر تم کو دربدر بھیک بھی مانگنا پڑے تو تم اپنے کو خوش نصیب سمجھو گے - لیکن اب میں یہ خود نہیں چاہتی -

عبدالکریم نے لاکھ میرے ساتھ دشمنی کی ہو، لاکھ وہ میرے اور تمھارے ساتھ غرض کی چالیں چلتے ہوں مگر کم از کم یہ اُن کا بہت بڑا احسان ہے کہ اُنھوں نے اس حقیقت کو میرے ذہن نشین کر دیا کہ میرا تمھارا در اصل کوئی جوڑ نہیں ہے اور مجھے تمھارے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہئے - ان سب باتوں سے انکا مطلب تو یہ رہا ہو گا کہ کسی طرح میں انکے قبضہ میں آجاؤں -

مگر میں نے اس سے دوسرا فائدہ اُٹھایا یعنی تم کو آئندہ کی ممکن خرابیوں سے بچایا، اور اپنے ضمیر کو داغدار نہیں ہونے دیا۔ جب سے میں آزاد ہوئی ہوں تب سے عبدالکریم اور بھی مجھ پر قابو پانے کے لئے تڑپ رہے ہیں لیکن میں قسم کھا چکی ہوں کہ جن اسباب کی بنا پر وہ تمھارے ساتھ میری شادی کو ناموزوں سمجھ رہے ہیں انھیں اسباب کی بنا پر میں اُنکے ساتھ کبھی شادی نہ کرونگی۔ تمگر میں شادی کرنے جا رہی ہوں اور بہت جلد، ابھی اس کا اعلان نہیں کیا ہے شادی اور شادی کا اعلان ایک ساتھ ہوگا۔

میں نے اپنے لئے تمھارے عزیزوں میں سب سے زیادہ مفلس و نادار شخص کو اپنا شوہر منتخب کیا ہے۔ کچھ تو اس لئے کہ وہ سب سے زیادہ غریب ہے۔ اور اگر تمھارے بعد کسی کی محبت کو میں قدر کی نگاہوں سے دیکھتی رہی ہوں تو وہ یہی شخص ہے۔ مگر سب سے زیادہ میں نے اُس کو اس لئے منتخب کیا کہ وہ عبدالکریم کے وہاں ملازم ہے، مجھے عبدالکریم سے بدلہ بھی لینا ہے۔ تم سمجھ بھی گئے ہوگے کہ میری مُراد نعیم سے ہے جس کو تم "ماموں" کہتے ہو۔ یہ شخص ایک مُدت سے میری محبت کا دم بھر رہا ہے اور صدق دل سے مجھے چاہتا ہے۔ ہاں اُس وقت سے جبکہ میں نے اُس کو دیکھا بھی نہیں تھا وہ اُس وقت بھی مجھے چاہتا رہا ہے اور اُس کو یقین تھا کہ میں تم کو چاہتی ہوں اور تمھارے ہی ساتھ شادی کرونگی۔ وہ عبدالکریم کی طرح بدباطن اور عیار نہیں ہے۔ میرے اُسکے درمیان تمام معاملات طے

ہوگئے ہیں اور ابھی راز میں ہیں۔ راز میں اس لئے ہیں کہ میں جانتی ہوں عبدالکریم
ابھی تک مجھ سے اُمیدیں لگائے ہوئے ہیں۔ جب اُن کو یکبارگی یہ معلوم ہوجائیگا
کہ میری شادی اُنکے ملازم کے ساتھ ہوگئی ہے تو اُن کو جتنا ہی سخت دھکّا لگے گا اُتنا
ہی زیادہ مجھے راحت ملے گی۔

مشتاق! مجھے معاف کرنا میں اپنی طبیعت سے مجبور ہوں۔ میں نے نہ تم کو
کبھی دھوکا دیا اور نہ اب دھوکا دے رہی ہوں۔ میں پکار پکار اب بھی کہتی ہوں کہ میں
تم کو چاہتی ہوں، مجھے تمھاری حسرت ہے اور یہ حسرت مرتے دم تک رہے گی۔ یہاں بہار کا
آغاز ہے، ذرہ ذرہ میں ایک کیفیت ہے مگر میرے دل میں کوئی کیفیت نہیں۔ میں ابھی
گزشتہ موسم بہار کو بھولی نہیں ہوں جس کی رنگینیاں مشتاق نے بڑھادی تھیں۔ مگر اب
بہار میرے کس کام کی؟۔

میرے اچھے مشتاق! یہ بہت بہتر ہوا کہ تم یہاں سے چلے گئے اور پھر کسی چھٹی
میں اب تک تم کو آنے کا موقع نہیں ملا ورنہ شاید میں اس ایثار کے قابل نہ رہتی، اور اس
استقلال اور مضبوطی کے ساتھ اپنا ارادہ پورا نہ کرسکتی۔

میری آئندہ زندگی جیسی ہوگی وہ مجھے ابھی سے معلوم ہے۔ تمھاری محبت اور
تمھاری یاد میری زندگی کا ایک ایسا جزو بن گئی ہے جس کو زندگی کا کوئی واقعہ اور زمانہ کی

کوئی گردش علیحدہ نہیں کرسکتی۔ پھر میری زندگی جتنی خوشگوار ہوگی وہ تم خود دیکھ لوگے۔ زندگی
کے دن تو خیر کسی نہ کسی طرح کٹ ہی جائیں گے، مگر مشتاق! تمھارا درد میری ساری ہستی پر
عمر بھر ایک نشہ کی طرح چھایا رہے گا۔ آہ!

نہ یہ مے نہ یہ باغ رہ جائیگا　　نہ ملنے کا اک داغ رہ جائے گا

میں آخر میں پھر التجا کرتی ہوں کہ اگر میں نے اپنا پیمان محبت تمھارے ساتھ نباہا نہیں تو
مجھے معاف کردو اور مجھے بھول جاؤ۔ مجھے بھول جاؤ اور زینب کے ساتھ اپنی زندگی کو یکسر لطف
و سرور بناؤ۔ اُس کو تم پر مجھ سے زیادہ حقوق حاصل ہیں اور وہ تمھاری زندگی کو زیادہ خوشگوار
اور پُرکیف بنا سکتی ہے۔

ہاں چلتے چلتے تم کو یہ بھی اطلاع دیدینا چاہتی ہوں کہ میں نے اپنی جائداد کا صرف
ایک چوتھائی حصہ اپنے اور نعیم کے لئے رہنے دیا ہے اور ایک وصیت نامہ لکھ کر رکھ چھوڑا
ہے جس کی رُو سے وہ حصہ تمھارا ہے۔ میں اپنی محبت کا اظہار اب اور کسی طرح نہیں کرسکتی
تھی۔ میں نے اس طرح اپنی محبت کی یادگار قائم کی ہے تاکہ تم مجھے عمر بھر نہ بھولو۔ میں نے
ابھی اس کا اعلان نہیں کیا ہے، اس کا اعلان مرتے دم ہوگا۔ یا اگر درمیان میں اس کا موقع
ہوا تو تمھارے نام ہبہ ہوجائے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم اس کو کبھی گوارا نہ کروگے اور مجھ سے
اور بھی زیادہ برافروختہ ہوجاؤگے۔ میں نے وہ کیا جو مجھے کرنا چاہئے تھا۔ تم اسکو قبول

کرو یا نہ کرو یہ تمھارا کام ہے۔ اچھا تو اب رخصت۔ میری بہترین دُعائیں تمھارے ساتھ ہیں۔

تمھاری دردمند سائرہ "

(۱۶)

مشتاق اپنی طبیعت کے لحاظ سے ایک بالکل عجیب و غریب شخص تھا۔ وہ ہر واقعہ کو ایک مجبوری سمجھتا تھا اور یہ سمجھ کر ایک فاتحانہ انداز سے اُسکے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتا تھا۔ سائرہ کے ساتھ اسکو معمولی گرویدگی نہیں تھی، اُس نے سائرہ کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دے رکھا تھا، اور اُسکے ساتھ شادی کر لینے کو اپنی زندگی کی انتہائی کامیابی تصور کرتا تھا۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ اُس کو سائرہ کا خط پاکر کیسا دھکا لگا ہوگا۔ مگر وہ اپنی شکست اور بے بسی کا اعتراف نہیں کرتا تھا، وہ کبھی اپنے جذبات سے بے قابو نہیں ہوتا تھا، اور بڑے سے بڑے واقعہ کو وہ اس طرح برداشت کر لیتا تھا کہ گویا اُسپر کوئی اثر ہی نہیں ہوا ہے۔ چاہے اُس واقعہ سے اُسکو حقیقتاً کیسا ہی دُکھ کیوں نہ پہونچا۔ بچپن سے اُسکی طبیعت کی اُفتاد ایسی ہی تھی۔

سائرہ کا خط پاکر تھوڑی دیر کے لئے تو اُس کو چکر سا آگیا۔ لیکن فوراً ہی اس نے اپنے کو سنبھالا اور ہر بات پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے لگا۔ اور اُسکو ایسا معلوم ہوا کہ جو کچھ ہوا وہ وہی تھا جو ہونے والا تھا اور جو بغیر ہوئے نہ رہ سکتا تھا۔ اسمیں نہ سائرہ کا کوئی قصور تھا اور نہ اُس کا اپنا۔ شروع سے صورتِ حال ہی کچھ ایسی تھی کہ اس کا انجام جو کچھ

بھی ہوتا بجا تھا۔

عبدالکریم کے علاوہ اس معاملہ میں مشتاق اگر کسی کو تھوڑا بہت خطاوار ٹھہرا رہا تھا تو خود اپنے کو، اس نے یہ کیوں سمجھ لیا تھا کہ اس غیر حاضری میں بھی سائرہ کے ساتھ اسکے تعلقات وہی رہیں گے اور ان میں کسی طرف سے کوئی رخنہ اندازی نہ ہوگی۔ اگر واقعی وہ سائرہ کو اپنی زندگی کا نصب العین سمجھتا تھا تو اُسے چھوڑ کر اتنی دور کیوں چلا آیا؟ خاصکر جبکہ اُسکو معلوم تھا کہ سائرہ کی مثال ایک ایسی ہلکی پھلکی ناؤ کی ہے جو ایک طوفانی سمندر میں پڑی ہو اور جس کو موجوں کے تھپیڑے جدھر چاہیں پھینک دیں، اور سائرہ جیسی ناتواں اور بے سہارا عورت ان تھپیڑوں سے لمحہ بھر کے لئے بھی مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اگر مشتاق اُسکے پاس موجود ہوتا اور سائرہ کو سہارا دئے رہتا تو سائرہ سے بڑھ کر قوی اور جری عورت بھی نہیں مل سکتی تھی۔ وہ اس وقت تن تنہا دنیا کے تمام ہنگاموں اور تہذیب و اخلاق کی تمام شورشوں کا مقابلہ کرتی اور ان پر فتح پاتی۔ پھر وہ کبھی مشتاق سے منھ نہ موڑتی اور دُنیا کا کوئی خطرہ، زمانہ کا کوئی لحاظ محبت کے راستہ سے اسکو نہ پھیر سکتا۔ مگر اب تو جو کچھ ہونا تھا وہ ہوگیا اور اب اس کا وقت نہیں تھا کہ اس کا تدارک کیا جائے۔ جب سائرہ دل میں یہ ٹھان چکی ہے کہ وہ مشتاق سے اب کوئی سروکار نہ رکھے گی تو مشتاق نے بھی اس کو خلاف مصلحت سمجھا کہ دوڑ دھوپ اور حجت و تکرار سے سائرہ کو اپنے ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کرے۔

مشتاق نے سائرہ کے خط کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اُسکے دل پر جو کچھ گزری اُسکو برداشت کر کے چُپ ہو رہا اور خاموشی اور اطمینان کے ساتھ اپنے کام میں لگ گیا اور اب دیکھنے والے یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ سائرہ کا خیال اُسکے دل میں باقی ہے۔ حالانکہ حقیقت اسکے خلاف تھی۔ سائرہ کی قدر اب مشتاق کے ذہن میں بڑھ گئی تھی وہ جانتا تھا کہ سائرہ نے جو کچھ لکھا ہے اُس کا ایک حرف بھی جھوٹ نہیں ہے، سائرہ اس کو دل سے چاہتی ہے اور یہ اسی چاہنے کا نتیجہ ہے کہ اُس نے واقعات سے مجبور ہو کر اُس سے ہاتھ اُٹھا لیا۔ یہ اُسکے بڑھے ہوئے ایثار اور خود فراموشی کی دلیل ہے۔ مشتاق خود سائرہ سے شرمندہ تھا۔ وہ سائرہ کی حسرتناک زندگی پر شروع سے لے کر اب تک نظر کرتا تھا تو اُس کا دل بھر آتا تھا اور اب خود اُس کی بدولت سائرہ کی زندگی اور بھی تلخ ہو رہی تھی۔

مشتاق نادم تھا۔ لیکن جب اُس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اب وہ کیا کرے تو اُس نے سب کچھ ذہن سے محو کر کے اپنے علمی مشاغل پر اپنی تمام توجہ صرف کر دی اور آگے چل کر اُس کو اس کا پھل ملا۔

مشتاق کو جس قدر ملال تھا اُسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ چھٹیوں میں گھر نہیں گیا اور قسم کھالی کہ اب جبتک کہ فارغ التحصیل نہ ہوے گا گھر کی طرف رُخ

بھی نہ کرے گا۔ مشتاق کے لئے یہ کوئی بڑی بات نہ تھی۔ آنکھ کھولتے ہی اُس نے پردیس دیکھا تھا اور بچپن سے حب وطن کے جذبہ سے وہ کچھ بیگانہ سا رہا۔ یہ تو صرف سائرہ تھی جس نے اُس کو کنور کوٹ کا اس قدر گرویدہ بنا رکھا تھا۔ اب جبکہ سائرہ اُسکے لئے کچھ نہ رہی تو نہ کنور کوٹ اُسکے لئے کوئی خاص دلچسپی رکھتا تھا اور نہ گھر بار

(۱۷)

سائرہ کی طرف سے مایوس ہو کر عبدالکریم نے واقعی اپنی ساری توجہ اور سارا جوش و ولولہ مشتاق پر وقف کر دیا۔ اب وہ دل سے چاہنے لگے کہ مشتاق علمی دُنیا میں نام و نمود حاصل کرے اور اُسکو اپنے مقصد میں دن دونی رات چوگنی کامیابی حاصل ہو۔ وہ اب واقعی مشتاق کو اپنا اکلوتا لڑکا سمجھنے لگے تھے، اگرچہ مشتاق نے دل سے کبھی اُن کو اپنا بہی خواہ نہیں سمجھا۔ جو شخص اُس کے اور سائرہ کے درمیان تفرقہ کا سبب ہوا ہو اُس کو مشتاق کبھی اپنا خیر خواہ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ لیکن عبدالکریم کے ساتھ اُس کا ظاہری برتاؤ بہت اچھا تھا۔ وہ جب کبھی اُن کو خط لکھتا تھا تو اُسی طرح لکھتا تھا جس طرح چھوٹے اپنے چاہنے والے بزرگوں کو لکھا کرتے ہیں۔ اگر سائرہ سے مشتاق کی تمام اُمید منقطع نہ ہو چکی ہوتیں تو شاید وہ عبدالکریم کی مخالفت اور دشمنی پر کمر باندھ لیتا، اور اُنکی ساری جائداد اور دولت کو ٹھکرا دیتا۔ لیکن اب ایسا کرنا محض بے سود تھا اس لئے

کوئی وجہ نہ تھی کہ ملتی ہوئی دولت کو نہ حاصل کرتا۔

عبدالکریم دل کھول کر مشتاق پر دولت صرف کر رہے تھے اور مشتاق کی زندگی بڑی آسائش اور بے فکری کے ساتھ بسر ہو رہی تھی۔ عبدالکریم کو اس سے صرف ایک شکایت تھی اور وہ یہ کہ سال پر سال گزرتے چلے جا رہے تھے اور مشتاق کسی چھٹی میں گھر آنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ عبدالکریم اسکی وجہ سمجھ رہے تھے اور دل ہی دل میں کبھی کبھی پچھتاتے بھی تھے اگرچہ اس یقین کو اپنے دل سے وہ واقعی دور نہ کر سکے کہ مشتاق اور سائرہ کا کوئی جوڑ نہیں اور مشتاق کے لئے بہترین بیوی زینب ہے۔

مشتاق کو جب کبھی عبدالکریم لکھتے کہ اگلی چھٹی میں گھر چلے آؤ تو وہ یہ لکھ کر ٹال دیتا کہ "مجھے بڑا کام ہے اور میں اب کی نہیں آسکتا"۔ اسی طرح دو سال گزر گئے، مشتاق بی۔اے پاس ہو گیا اور اول آیا۔

اب مشتاق کو دوسری خواہش پیدا ہوئی۔ وہ انگلینڈ جانا چاہتا تھا۔ عبدالکریم نے خوشی سے اسکی اجازت دیدی اور اُسکے لئے سرمایہ مہیا کر دیا۔ مشتاق نے ولایت کی تیاری شروع کر دی۔ عبدالکریم نے بہت زور لگایا اور مشتاق کی نانی اور زینب نے بہت ہاتھ پاؤں جوڑے تو مشتاق مشکل سے اسپر راضی ہوا کہ وہ صبح کی گاڑی سے ان لوگوں کو دیکھنے آئیگا اور دن بھر رہکر شام کی گاڑی سے علی گڈھ واپس چلا آئے گا جہاں سے

پھر وہ ولایت کو روانہ ہو گا۔ سب نے اسی کو غنیمت سمجھا۔

جس روز مشتاق آیا اُس روز نوانگر میں بڑی دھوم تھی۔ چھوٹا بڑا ہر کوئی مشتاق سے ملنے چلا آرہا تھا اور مشتاق کے گھر میں اور عبدالکریم کے وہاں تو گویا عید کا دن تھا مشتاق کے عزیزوں میں سے اگر کوئی ملنے نہیں آیا تو وہ نعیم تھا۔ نعیم اپنے کو اس قابل نہ پاتا تھا کہ مشتاق سے آنکھیں برابر کر سکے۔ مشتاق نے دو ایک بار نعیم کو پوچھا۔ مگر جب اسکو یہ احساس ہو گیا کہ نعیم اُس سے پہلو بچا رہا ہے تو وہ بھی چُپ چاپ ہو گیا۔ شام کے وقت جبکہ مشتاق اپنا سامانِ سفر درست کر رہا تھا تو سائرہ کے پاس سے ایک آدمی یہ پیغام لیکر آیا کہ آپکی تمام کتابیں اور بہت کچھ اور چیزیں جو کنور کوٹ میں پڑی ہوئی ہیں آپ ان کو وہیں رہنے دینا چاہتے ہیں یا ان کو کسی اور جگہ منتقل کرنا چاہتے ہیں؟" مشتاق نے آدمی کو تو یہ کہکر رخصت کر دیا کہ "اگر کوئی ہرج نہو تو ابھی ان چیزوں کو کنور کوٹ ہی میں رہنے دیا جائے" لیکن اُسکے دل کی رگیں کھنچنے لگیں وہ اب تک سائرہ کے درد کو دل میں دبائے ہوئے بیٹھا تھا، اُس نے اپنے اوپر یہ معمولی ظلم نہیں کیا تھا کہ سائرہ سے اتنا قریب ہو کر سائرہ سے بغیر ملے ہوئے چلا جا رہا تھا۔ وہ سب سے ملا اور نہیں ملا تو سائرہ سے جس کے ساتھ کبھی صبح سے شام اور شام سے صبح ہوتی تھی۔ مشتاق اب سائرہ سے مل کر کیا کرتا، اور اُس سے کیا کہتا؟ سوا اسکے کہ دونوں مل کر چار آنسو بہا لیتے، اس ملاقات کا کچھ حاصل نہوتا۔ اور مشتاق اب بیکار آنسو بہانے کیلئے تیار نہ تھا۔ وہ بڑے ضبط سے کام لے رہا تھا اور سائرہ کے خیال کو دل سے دور کئے ہوئے تھا۔ سائرہ نے بڑی بیدردی کی جو اُسکو

اس طرح چھیڑ دیا۔ تھوڑی دیر کے لئے وہ سائرہ کو بے رحم سمجھنے لگا لیکن پھر اُسکو خیال آیا کہ ممکن ہے اپنا فرض پورا کرنے کیلئے اُسکو یہ پیغام دیا ہو اور در اصل اُس کا مقصد طنز یا دلآزاری نہ رہا ہو، اس خیال سے اُسکو تسکین ہوئی اور وہ چُپ ہو رہا۔ لیکن پھر بھی اُس پر اتنا اثر باقی رہا کہ اُس نے جلد سے جلد اس نواح کو چھوڑ دیا اور گاڑی کے وقت سے بہت پہلے اسٹیشن پہونچ گیا۔

سائرہ کا مطلب در اصل یہ نہ تھا کہ مشتاق آزردہ ہو، اُسنے واقعی اسکو اپنا فرض سمجھا کہ مشتاق کو یاد دلائے کہ اُسکی کتابیں کنور کوٹ میں پڑی ہوئی ہیں تاکہ اگر مشتاق چاہے تو اُنکو کہیں اور رکھوا دے۔ اگر اُسکے دل کی بات پوچھئے تو وہ اُسکی کتابوں سے دم بھر کیلئے بھی جدا ہونا نہیں چاہتی تھی، وہ اُنکو بڑی حفاظت اور داشت کے ساتھ کنور کوٹ میں بند رکھے ہوئے تھی جن سے وہ صبح شام آکر گزشتہ صحبتوں کی یاد تازہ کر لیا کرتی تھی۔ وہ مشتاق کی ان یادگاروں کو اپنا حاصلِ عمر سمجھتی تھی لیکن پھر بھی وہ اُن کو اپنی چیز نہیں سمجھتی تھی۔ اسی لئے اُس نے مشتاق کی مرضی دریافت کی تھی۔ مشتاق نے اسکو غلط سمجھا۔

مشتاق نے دن بھر کیلئے آکر سائرہ کو بھی بیچین کر دیا تھا۔ اُسکی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ کون مشتاق ہے۔ کیا یہ وہی مشتاق ہے جو کبھی اُسکے "خواب کا شہزادہ" رہ چکا ہے؟ اگر یہ وہی مشتاق ہے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ ایسی وارفتگی میں دن بھر کیلئے آئے اور اُس سے بغیر ملے ہوئے چلا جائے۔

پہلے تو مشتاق کیلئے سائرہ کا دل تڑپنے لگا اور اُس نے سوچا کہ اُسکو بلوا کر دیکھے اور اپنی برباد شدہ حسرتوں کا ماتم کرے۔ لیکن پھر اُس نے اپنے دل میں اتنی تاب پائی کہ اس گھڑی کا ضبط

اور سنجیدگی کے ساتھ سامنا کر سکتی اس لئے اسنے مشتاق کو بلانے یا اس سے ملنے کی کوئی کوشش نہ کی۔

(۱۸)

اُس دن سرِ شام سائرہ کنور کوٹ میں آ گئی اور اکیلی ساری رات وہیں رہی۔ نعیم نے دبی زبان سے اختلاف کیا اور چاہا کہ سائرہ اکیلی کنور کوٹ میں نہ رہے لیکن سائرہ سے کچھ زور نہ چلا۔ وہ سائرہ کے مقابلہ میں اپنے کو کمزور پاتا تھا اور اُسکے حرکات و سکنات میں بہت کم دراندازی کرتا تھا۔ وہ اسی کو بہت سمجھتا تھا کہ سائرہ نے اُسکے ساتھ شادی کر لی اور اُسکے ساتھ حتی المقدور سہولت اور حسن اسلوب کے ساتھ نباہ رہی ہے۔ وہ اپنے کو اسکا حقدار نہیں سمجھتا تھا کہ ہر وقت سائرہ کے دل کی ہتوں کا جائزہ لیا کرے اور اسکو خواہ مخواہ اپنی مرضی پر چلانے کی کوشش کرے۔

اُسکو یقین تھا کہ مشتاق کا سودا سائرہ کے سر سے نہ گیا ہے اور نہ کبھی جائیگا۔ وہ خوب سمجھتا تھا کہ سائرہ کو کنور کوٹ سے اتنا گہرا دلی تعلق کیوں ہے؟ کنور کوٹ کا چپہ چپہ اس کیلئے مشتاق کی یادگار تھا۔ اور جب کبھی اُسکے دل کی جراحتیں اُبھر کر اُسکو بیتاب کر دیتیں تو وہ وہاں جا کر سکون حاصل کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ نعیم کو آخر اسکا کیا حق تھا کہ وہ اُس کو اس سے باز رکھے۔ یہی کیا کم تھا کہ وہ اس حالت میں بھی اپنے کو نعیم کی بیوی سمجھتی تھی اور اپنے فرائض میں کوتاہی نہیں کرتی تھی۔

سائرہ نے واقعی نعیم کی حق تلفی کبھی نہیں کی اور اُسکے ساتھ اُسکے جو فرائض تھے اُنکی طرف سے کبھی غافل نہیں ہوئی۔ نعیم سے اُسکے ایک لڑکی بھی تھی جسکی عمر اسوقت ایک سال کی تھی

سائرہ اس لڑکی کو ہر طرح عزیز رکھتی تھی اور کبھی اُسکی طرف سے لمحہ بھر کیلئے بھی بے پروائی نہیں برتتی تھی لیکن اسکو کیا کیا جائے کہ اُسکو سرے سے زندگی ہی ایک غیر دلچسپ اور تھکا دینے والی چیز معلوم ہونے لگی تھی - اسکا کیا علاج کہ اُسکو عمر بھر زندگی اور جوانی کا سوگ رہا اور اُسکا دردمند دل کبھی راحت نہ پا سکا - اور اب تو شاید وہ راحت وسکون سے بہرہ اندوز ہونے کی صلاحیت بھی کھو چکی تھی - کنور کوٹ میں کبھی کبھی جا کر چند سرد آہیں کھینچنے اور چند قطرے آنسو بہا لینے کے علاوہ اب اسکے جتنے مشاغل تھے اُن میں اسکا دل شریک نہیں تھا - وہ جو کچھ کرتی تھی ایک کل کی طرح بغیر کسی احساس اور بغیر کسی ولولہ کے کرتی تھی -

آج اسکی رگوں میں غیر معمولی تشنج تھا جس نے اسکو ایسا ہی مجبور کر دیا کہ وہ نعیم کو چھوڑ کر اور دودھ پیتی بچی اور ماما کو لیکر کنور کوٹ چلی آئی - یہاں پہونچکر اُسکے پاس سوا ایک بھولے ہوئے خواب کی یاد کے اور کیا تھا جس سے وہ اپنے جلتے اور تڑپتے ہوئے دل کی تسکین کرتی - سائرہ نے اُس بھولے ہوئے خواب کو یاد کر کے خوب آنسو بہائے اور جی کھولکر اپنے کو تڑپایا -

بیساکھ کا زمانہ تھا اور ساری کائنات از سرِ نو تر و تازہ اور شاداب ہونے کیطرف مائل تھی -

سائرہ کو رہ رہ کر مشتاق یاد آرہا تھا - وہ بار بار کلیجہ تھام لیتی تھی - اُسکی حالت اسوقت عرفی کے اس شعر کی پوری تفسیر تھی :-

بے تو ہر گہ کہ تماشائے گلستاں کردم ہمچو گل دامنِ خود پُر ز گریباں کردم

سائرہ صبح تک تارے گنتی رہی - تھوڑی دیر کے بعد جب کبھی اسکی بغل میں سوئی بچی چونک جاتی

تو فوراً سب کچھ اپنے ذہن سے نکالکر اس کو لپٹا لیتی اور اُسکے مُنھ میں دودھ دیدیتی۔ جب بچی سو جاتی تو وہ پھر اُسی طرح ٹھنڈی سانسوں سے اپنے دل کا غبار نکالتی۔ اسی طرح صبح ہو گئی اور سائرہ کی آنکھ نہیں جھپکی۔ ماما نے ہاتھ دھونے کے لئے پانی لاکر رکھا تو سائرہ اُٹھی اور ہاتھ منھ دھوکر حواس درست کئے اور ماما نے جو کچھ سامنے رکھدیا اُسکو بیدلی کیساتھ کھا لیا۔ بچی ابھی سو رہی تھی۔ سائرہ اُٹھی اور جاکر مشتاق کی کتابوں کا معائنہ کرنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک کتاب نکالی اور کھولکر ادھر اُدھر سے پڑھنے لگی۔ یہ میر کا دیوان تھا۔ ورق اُلٹتے اُلٹتے سائرہ کی نظر اس شعر پر پڑی اور وہ ایک ہائے کر کے رہ گئی:۔

آبلے کی سی طرح ٹھیس لگی ٹوٹ گئے ۔۔۔ دردمندی میں گئی ساری جوانی اسکی

سائرہ کی زندگی نے اس شعر کو ایک واقعہ بنا دیا تھا۔ اگر یہ شعر اسکے لئے نہیں کہا گیا تھا تو پھر کس کے لئے کہا گیا تھا؟ کیا میر کی زندگی اُسکی اپنی زندگی سے زیادہ حسرتناک اور دردمند ہو سکتی تھی؟ سائرہ کو میر کی زندگی کے حالات معلوم نہ تھے۔ تاہم اس شعر نے اُسکی جو حالت کر دی اس سے وہ مجبور تھی کہ اپنے کو میر سے زیادہ آزردہ اور غمناک سمجھے۔

دن چڑھتے چڑھتے نعیم پالکی لیکر آگیا اور اب سائرہ مجبور تھی کہ کنورکوٹ سے اُسکے ہمراہ چلی جائے۔ ابھی تک میر کے شعر کا اثر باقی تھا۔ اور اگر نعیم پہونچ نہ جاتا تو شاید ابھی کچھ دیر اور وہ کنورکوٹ کو میں رہتی۔ اُس نے ایک بار تا حدِ نظر کنورکوٹ کے گرد و نواح پر نظر دوڑائی اور یہ شعر پڑھا:۔

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے ۔۔۔ جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

سائرہ کی آنکھیں پرنم ہو چلی تھیں مگر اُس نے اپنی طبیعت کو روک لیا اور چپ چاپ پالکی میں سوار ہو کر نعیم کے ساتھ حاتم سرا کو روانہ ہو گئی۔

(۱۹)

مشتاق کی دُنیا اب ہر طرح علم و ادب کی دُنیا تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ ڈھائی برس گزر گئے اور اُس نے کتب بینی اور غور و خوض کے علاوہ یہ جانا بھی نہیں کہ مغرب کے بتکدوں میں کوئی اور بھی دلچسپی ہو سکتی ہے۔ سائرہ سے محروم ہونے کے بعد کچھ دنوں تک تو اُسکے دل میں یہ خلش ضرور رہی کہ:۔

اب دیکھیں آہ کیا ہو ہم تو جُدا ہوئے ہیں بے یار و بے دیار و بے آشنا ہوئے ہیں

لیکن بہت جلد وہ ہر خلش سے بیگانہ اور ہر طرف سے بے اعتنا ہو گیا! ور خیالات و افکار کی وسیع فضا میں کھو گیا۔ اب اسکے دل میں برائے نام بھی شاید یہ خیال باقی نہیں تھا کہ اُسکی آئندہ زندگی کا نقشہ کیا ہوگا اور اُس میں کس عورت کو دخل ہوگا۔ عورت اور محبت اب اسکے لئے زندگی کے دلچسپ مسائل نہیں تھے۔

مشتاق نے ولایت میں ایم اے بھی کیا اور اب علم و ادب میں امتیاز بھی حاصل کیا۔ وہ ابھی کچھ عرصہ اور قیام کر کے اپنا مطالعہ وسیع کرنا چاہتا تھا لیکن اسکی نوبت نہیں آئی۔ عبدالکریم کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ "نعیم مر گیا اُسکو طاعون ہو گیا تھا"۔ مشتاق کے سکون و اطمینان میں دفعتاً پھر ایک انتشار پیدا ہو گیا اور اُسکا خیال دو سمتوں میں بٹ گیا۔ ایک طرف تو اُسکو یہ حوصلہ تھا کہ ابھی کچھ اور

پڑھے اور کچھ اور سندیں حاصل کرے۔ دوسری طرف سائرہ کا خیال تھا جو پھر یکایک اُس پر مسلط ہو گیا تھا اور وہ بیتابانہ اُسکی طرف کھنچا جا رہا تھا۔

سائرہ آزاد تھی۔ زمانہ نے مشتاق کو پھر موقع دیا تھا کہ وہ اُسکے ساتھ اپنی زندگی کو سرتا پا لطف و کیف بنائے، اور اب مشتاق اسکو اور بھی اپنا فرض سمجھتا تھا کہ جا کر سائرہ کے ساتھ فوراً شادی کرے۔ چاہے اسکے لئے اُسکو عبدالکریم اور اُنکے ہمخیالوں کی کتنی ہی مخالفت کیوں نہ کرنا پڑے۔ وہ واقعی عبدالکریم کی دولت پر لات مارنے کیلئے تیار تھا۔ وہ گلی گلی کی ٹھوکر کھائیگا اور در بدر کی بھیک مانگے گا مگر سائرہ کو اب ہاتھ سے نہیں جانے دیگا اگر سائرہ نے اُس سے بیگانہ وشی اور سرد مہری نہ برتی۔

مشتاق کے سر میں اب پھر سائرہ کی ہوا سما گئی تھی اور وہ اسکے لئے تن من دھن سب قربان کرنے کیلئے تیار تھا۔ اسکے علمی شغف و انہماک میں بھی دفعتاً کمی ہو گئی، اُسکو یقین تھا کہ سائرہ اُسکی واپسی کا بیصبری کے ساتھ انتظار کر رہی ہوگی اور وہ خود اس خیال سے بیچین ہونے لگا تھا۔ کئی دن تک وہ اس نئی صورت پر غور کرتا رہ گیا۔ آخر کار اُس نے عبدالکریم کو لکھا کہ "اب ولایت میں اُسکا کام ختم ہو گیا اور وہ دو ایک مقامات کو دیکھتا بھالتا ہوا دو ماہ کے اندر وطن واپس آجائے گا۔" مشتاق کو مطلق اسکی پروا نہیں تھی کہ اس خبر کا عبدالکریم کے قلب پر کیا اثر ہوگا اور دوست دشمن اس کا کیا نتیجہ نکالیں گے۔

عبدالکریم کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ مشتاق نے یکایک خلاف توقع وطن آنے کی

کیوں ٹھان لی۔ لیکن اب وہ نہ تو مخالفت کرنے کی تاب رکھتے تھے اور نہ کوئی مخالفت کرنا چاہتے تھے۔ اب وہ مشتاق کی زندگی کو اسکی مرضی اور زمانہ کے اتفاقات پر چھوڑ دینا چاہتے تھے۔ اپنے مقصد میں ناکامی انسان کو طرح طرح کے سبق سکھا دیتی ہے اور اسکو بہت دھیما کر دیتی ہے۔ عبدالکریم اب واقعی سائرہ اور مشتاق کے معاملہ میں اتنی سرگرمی کے ساتھ مخالفت کرنے کی تاب نہیں رکھتے تھے، بلکہ اب تو وہ اُلٹے دونوں سے یک گونہ ندامت محسوس کر رہے تھے۔

(۲۰)

خدا خدا کرکے وہ دن بھی آ گیا کہ مشتاق وطن واپس آیا، آتے ہی اُس نے چاہا کہ سائرہ سے ملے۔ وہ اس غرض سے آصف پور گیا۔ سائرہ نے اپنے دل میں اتنی سکت نہ پائی کہ وہ مشتاق سے ملتی۔ اُس نے انکار کر دیا۔ مشتاق نے خوشامدیں کیں مگر سائرہ نے کہلا بھیجا کہ اُس کا دل اُس سے ملنے کے لئے اُبھرتا نہیں۔ مشتاق مجبور ہو کر مایوس و ناکام واپس آیا۔ اسکے بعد کئی دن تک وہ روزانہ شام کو آصف پور جاتا رہا۔ کبھی تو سائرہ پہلے دن کی طرح ملنے سے صاف انکار کر دیتی تھی اور کبھی یہ معلوم ہوتا کہ سائرہ گھر پر موجود نہیں ہے۔

آخر کار مشتاق کی آرزو پوری ہو گئی۔ عید کا دن تھا، نماز سے واپس آ کر مشتاق نے ایک پُرزہ پر صرف یہ شعر لکھ کر سائرہ کے پاس بھیج دیا:۔

سحر گہ عید میں دورِ سبو تھا   پر اپنے جام میں تجھ بن لہو تھا

سائرہ میں اب مقاومت کی تاب نہیں تھی اُس نے اسکے جواب میں مشتاق کو یہ خط لکھ بھیجا:-

"میرے مشتاق! تم بڑے ظالم ہو - آخر تم جیتے میں ہاری - میں طے کر چکی تھی کہ اب کبھی تمھارا سامنا نہ کرونگی، اس لئے نہیں کہ تم اس قابل نہیں رہے، بلکہ اب خود اپنے کو اس قابل نہیں پاتی - اب مجھ میں کیا رہا ہے جس کے برتے پر تم سے ملنے کی خواہش کروں لیکن تم نے یہ شعر لکھ کر مجھے بُری طرح تڑپا دیا - یہ نہ سمجھو کہ میں اس شعر کو واقعی تمھارے حسب حال سمجھتی ہوں - نہیں! تمھارا منھ نہیں کہ یہ شعر پڑھ سکو - لیکن مجھ پر یہ شعر حرف بحرف پورا اُترتا ہے - آج عید کے دن تمھارے جام میں لہو نہیں ہے یہ ممکن ہے کہ تمھارا جام خالی ہو لیکن میرا جام لہو سے لبریز ہے، اور یہ صرف اس لئے کہ تمھاری یاد ابھی باقی ہے جو دل میں نشتر چُبھو رہی ہے - کاش میرا جام بھی خالی ہوتا - مگر خیر ان باتوں کا ذکر کیا؟ مجھے کہنا یہ تھا کہ آج تمھارے رقعہ نے مجھے مجبور کیا کہ تمھاری خواہش کے مطابق تم سے ملوں - آج تو معاف رکھو، کل شام کو غروب آفتاب کے وقت کنور کوٹ میں تم سے ملنے آؤں گی"۔ تمھاری "وُہی سائرہ"۔

(۳۱)

مشتاق کنور کوٹ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ پہونچا - اُسکی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ سائرہ کا سامنا کیونکر کر سکے گا - وہ سائرہ کو اپنے سے زیادہ قوی، اپنے سے زیادہ پختہ مغز اور اپنے سے زیادہ ثابت قدم پا رہا تھا - اسکے قدم آہستہ آہستہ اُٹھ رہے تھے، اگرچہ وہ سائرہ سے ملنے کے لئے بیچین تھا - احاطہ میں پہونچکر اُس نے دیکھا کہ نیچے کا حصہ بالکل اندھیرا ہے اور خالی معلوم

ہوتا ہے۔ اُسکی نظر کوٹھے کی طرف گئی جہاں کافی روشنی نظر آرہی تھی۔ مشتاق دبے پاؤں زینے طے کرنے لگا۔ آخر زینہ پر پہونچکر ٹھٹھک گیا اور کان لگا کر کچھ سُننے لگا۔ سائرہ بڑے درد کے لہجہ میں آہستہ آہستہ گا رہی تھی :۔

سحر گہ عید میں دورِ سبو تھا پر اپنے جام میں تجھ بن لہو تھا

مشتاق نے چار قدم کرکے جلدی سے باقی ماندہ راستہ طے کیا اور سائرہ کے سامنے پہونچگیا لیکن اُسکی زبان سے ایک حرف بھی نہ نکل سکا۔ وہ حیرت کے ساتھ سائرہ کی صورت دیکھ رہا تھا اور اُسکا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ کیا یہ وہی سائرہ تھی؟ اب تو اُس میں کوئی بات ایسی نظر آتی تھی جس کو سائرہ سے منسوب کیا جاسکے، سائرہ کا وہ حسن وجمال اتنے دنوں میں کہاں چلا گیا؟ اسکی وہ رعنائیاں کیا ہوئیں؟ اب تو وہ ایک مُرجھایا ہوا پھول معلوم ہو رہی تھی جس کو خاک میں مل کر خاک ہوجانا ہو اور جواب سوا اسکے اور کسی مصرف کا نہ ہو۔ اُسکے چہرہ پر جھریاں پڑگئی تھیں، آنکھوں کے گرد حلقے تھے اور پتلیاں دُھندلی تھیں، قد میں وہ کشیدگی نہ تھی۔ سائرہ اب اگلی سائرہ کی ایک تربت معلوم ہو رہی تھی اور مشتاق کو یہ سب اپنے حواس کا ایک دھوکا معلوم ہو رہا تھا۔ وہ بے انتہا کمزور اور نحیف نظر آرہی تھی جیسے برسوں کی بیمار ہو۔

سائرہ کو مشتاق کی اس حیرت کے معنی سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔ مشتاق کی زبان یوں بند دیکھ کر اُس نے خود کہا :۔ "مشتاق! آخر ہم دونوں پھر ملے"۔

مشتاق کی زبان اب بھی نہیں کھلی۔ سائرہ نے اپنی لڑکی کو جس کی عمر تقریباً اب ساڑھے چار

برس تھی اور جس کا نام شاہدہ تھا اپنی گود سے الگ کر دیا۔ وہ بیچاری سہم کر ایک طرف سمٹ کر بیٹھ گئی۔ سائرہ مشتاق کی طرف آگے بڑھی اور کہنے لگی "کیوں مشتاق! کچھ تو بولو! تم یہاں مجھ سے ملنے کی غرض سے آئے تھے؟ اور کیوں اس طرح خاموش کھڑے ہو؟ تم کو حیرت ہے؟ شاید تم کو یہ توقع نہ تھی کہ میں اب ایسی ہو گئی ہونگی۔ زمانہ نے مجھے کچھ ایسا ہی بنا دیا ہے۔ اب میں کچھ بھی نہیں رہی، تمھارا عین شباب ہے، تم کھل رہے ہو اور میں پامال ہو چکی ہوں، عرصہ سے کچھ بیمار بھی رہتی ہوں۔ جو لطف و سرور کی گھڑیاں کبھی تمھارے ساتھ گزر چکی ہیں اُن کی یاد کا تقاضا تو یہ ہے کہ نہ میں کبھی اپنی صورت تم کو دکھاؤں اور نہ کبھی تمھاری صورت دیکھوں۔ لیکن تم نے مجھے مجبور کر دیا۔ کہو تم کو کیا کہنا ہے؟ تم حیرت میں کیوں ہو؟ تم یہ نہ سمجھو کہ میں تم پر کوئی الزام دیتی ہوں، جو کچھ ہوا میرے مقدر سے ہوا اور جو کچھ کیا میں نے کیا۔ تم نادم کیوں ہو آؤ! ادھر آؤ! میں ذرا اچھی طرح تمھاری صورت دیکھ لوں اور اپنی آنکھوں کی دیرینہ حسرت کو آج پوری کر لوں۔ آہ! ۔

دریں بہار نہ شد فرصت آں قدر مارا   کہ ہم ترانہ بلبل کنیم مینا را

میری سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ میں نے کبھی اپنے کو تمھارے منھ لائق سمجھا۔ حالانکہ میں دراصل کبھی تمھارے قابل نہ تھی۔"

سائرہ کی آواز بھرا چلی تھی۔ مشتاق دھیرے دھیرے آگے بڑھا اور سائرہ کے ہاتھ کو ہاتھ میں لیا۔ سائرہ کے ہاتھ برف ہو رہے تھے اور وہ کانپ رہی تھی۔ سائرہ کی باتوں نے مشتاق کے

دل پر اتنا اثر کیا تھا کہ اُسکی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے ۔ سائرہ نے مشتاق کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ رہنے دیا اور کہا "تمھاری آنکھیں آنسوؤں سے کیوں لبریز ہیں؟ تمکو تو اب مجھ سے محبت نہیں ہے؟"

"سائرہ!" مشتاق کی زبان سے آخر نکلا "تم کو اب مجھ سے محبت نہیں ہے"۔ سائرہ نے پھر کہا ۔ "یہ نہ کہو" مشتاق بڑی مشکل سے جواب دے سکا ۔

"میں یہی کہے جاؤں گی، تم کو اب مجھ سے محبت نہیں ہے ۔ تم کو حق ہے کہ اب مجھ سے محبت نہ کرو ۔ تم کسی زمانہ میں میری محبت کرتے تھے ، مگر اب نہ تم وہ ہو اور نہ میں ، تم پہلے سے زیادہ جوان ہو اور میں پہلے سے کہیں زیادہ بُڈھی ، مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں"۔

"مگر سائرہ!" مشتاق نے کہا "میں ولایت سے چلا آیا ہوں"۔ وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکا ۔ سائرہ کے بار بار اصرار نے اسکے اندر اتنی تاب باقی نہیں رہنے دی تھی کہ وہ اس سے اختلاف کرتا ۔

سائرہ نے کہا "ہاں تم ولایت سے چلے آئے ہو لیکن میرے لئے نہیں ۔ اور اگر میرے لئے چلے آئے ہو تو بڑی نادانی کی ۔ مگر تم تو اس لئے چلے آئے ہو کہ تمھارا کام پورا ہو چکا ہے اور اب تمھیں پردیس میں کچھ کرنا نہیں ہے ۔ یا اللہ! کتنا زمانہ ہو گیا اور میں کیا سے کیا ہو گئی لیکن یہ کنور کوٹ ، یہ اُجڑی ہوئی منزل اب بھی میرے لئے کیفیتوں سے معمور ہے ۔ کیوں مشتاق! کبھی ہم تم دونوں کے لئے یہ جنت تھی ۔ مگر اسکو تو ایک مُدت ہو گئی ، اتنی مُدت کہ آج تم کو مجھے پہچاننے میں دقت ہوئی"۔

"یہ نہ کہو" مشتاق نے کہا - لیکن اُس کے لہجہ میں کوئی زور نہ تھا -

"تمھاری صورت سے تو یہی معلوم ہو رہا تھا کہ تم کو مجھے دیکھ کر بڑا دھکا لگا ہے - اور اگر دھکا لگا بھی تو بجا ہے - میری صورت کچھ اس طرح بگڑ ہی گئی ہے - کبھی مجھے بھی اپنی صورت پر ناز تھا ، اور اُسی صورت کے گھمنڈ میں تم کو چاہنے لگی تھی ، اُسی صورت کے بھرتے پر میں اپنے کو تمھارے قابل سمجھتی تھی مگر........." سائرہ نے ایک بیتاب کر دینے والے لہجہ میں یہ شعر پڑھا :-

صبحدم مرغِ چمن با گلِ نو خاستہ گفت ناز کم کن کہ دریں باغ بسے چوں تو شگفت

مشتاق میں اب ضبط کی تاب نہیں تھی - اُس کے اندر پھر ایک ہیجان و تلاطم پیدا ہو گیا اور وہ بیتابانہ سائرہ سے لپٹ گیا - سائرہ نے اُس کو آہستہ سے الگ کر دیا - کہنے لگی "اب مجھے جانا چاہئے - میں تو صرف تم سے ملنے چلی آئی تھی - یہ میری اور تمھاری شاید آخری ملاقات ہو ، میں خود تم سے ملنے سے گریز کرتی رہونگی - لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ میں تمھاری محبت نہیں کرتی ، میں تمھاری خیریت دوسروں سے دریافت کر لیا کرونگی اس سے مجھے تسکین ہو جائے گی - مجھے سب سے زیادہ سکون تو اس بات سے ہے کہ میں نے اپنی تین چوتھائی جائداد تمھارے لئے وقف کر دی ہے - تمھارا جب سے جی چاہے اُس کو اپنے ہاتھ میں لے لو اور اُس کی دیکھ بھال شروع کر دو - بس جاؤ اور مجھے جانے دو - تم یہاں آ گئے ہو تو اب بہت جلد لوگ تمھاری شادی زینب سے کر دیں گے

اور یہی ہونا بھی چاہیئے ۔ زینب تمھاری ہر طرح مستحق ہے ۔ میری دلی دُعا یہ ہے کہ تم دونوں کی زندگی خوشگوار رہے ، میرے دن بھی کٹ ہی جائیں گے ۔ میرا تو بقول شخصے یہ حال ہے :۔

اب یہی روزگار ہے اپنا　　　رُوتے پھرتے ہیں ساری ساری رات

اور اب میرے لئے یہی زیبا ہے اور مجھے اسی میں راحت ہے ۔"

سائرہ یہ کہکر اُٹھی لیکن اُس کے جسم میں کچھ ایسی تھرتھری پیدا ہوئی کہ وہ فوراً چارپائی پر بیٹھ گئی ۔

مشتاق اب تک اپنے دل کی بات نہ کہہ سکا تھا ۔ سائرہ نے اُسکی ہمت پست کر دی تھی ۔ اُس کو یقین تھا کہ اگر وہ سائرہ سے کہے گا کہ وہ اب بھی اسکی محبت کرتا ہے اور اُسکے ساتھ شادی کرنے کی نیت سے آیا ہے تو سائرہ اُس کو جھوٹا سمجھے گی لیکن سائرہ کا یہ حال دیکھ کر اس نے پھر اُس کو لپٹا لیا اور کہنے لگا " سائرہ ! تم نے اپنی باتوں سے میرے سارے حوصلے پست کر دئے ہیں اور مجھ سے کچھ کہتے نہیں بنتا ۔ لیکن یقین مانو میں ولایت سے صرف تمھارے لئے آیا ہوں اور تم سے شادی کرنے آیا ہوں ...."

مشتاق اپنی پوری بات کہنے بھی نہ پایا تھا کہ سائرہ کے مُنھ سے ایک چیخ نکلی جو انتہائی مسرت کی چیخ تھی اور وہ بے حس و حرکت چارپائی پر لیٹ گئی ۔ مشتاق نے اُسکو چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا اور تھوڑی دیر تک اس کا انتظار کرتا رہا کہ سائرہ خود بخود

ہوش میں آجائے۔ کئی منٹ گزر گئے سائرہ ہوش میں نہ آئی۔ مشتاق اُس کا شانہ ہلانے لگا، معصوم شاہدہ ڈرتے ڈرتے مشتاق کے پاس آئی اور کہنے لگی "اماں سو رہی ہے اسکو نہ جگاؤ"۔ مشتاق نے شاہدہ کو پیار کرنا چاہا۔ لیکن دفعتاً اُس نے دیکھا کہ سائرہ سانس نہیں لے رہی ہے۔ مشتاق وہیں سر تھام کر بیٹھ گیا۔ شاہدہ پھر اُس سے سہم کر دور ہٹ گئی۔ لیکن جب مشتاق "سائرہ! سائرہ!" چلانے لگا اور رو رو کر سائرہ کو بیدار کرنے کی کوشش کرنے لگا تو شاہدہ نے بھی سمجھا کہ کوئی ایسی بات ہو گئی ہے جو بہت ڈراؤنی ہے، یہ سمجھ کر وہ بھی رونے لگی اور مشتاق کو اُس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ شور و غل سُن کر ماما بھی دوڑی آئی اور حقیقت حال سے آگاہ ہو کر وہ بھی رونے اور سر پیٹنے لگی۔ دو گھنٹے کے اندر ہر طرف مشہور ہو گیا کہ سائرہ مر گئی، ناگہاں مسرت کے ہیجان میں اُس کے ناتواں قلب کی حرکت رُک گئی۔

(۲۱)

مشتاق نے کچھ تو زندگی اور جوانی کے تقاضے سے مجبور ہو کر اور کچھ لوگوں کے اصرار سے چند ماہ کے بعد زینب سے شادی کر لی۔ لیکن سائرہ کی زندگی اور اُس کے انجام نے اُس پر ایسا اثر کیا تھا کہ اب وہ زندگی کے کسی معاملہ میں سرگرمی اور انہماک نہیں برت سکتا تھا، وہ یوں بھی زندگی کو ایک وبال سمجھتا تھا۔ سائرہ کی زندگی نے اُس کے اس عقیدہ کو اور بھی راسخ کر دیا تھا۔ لیکن وہ اُن لوگوں میں سے نہ تھا جو زندگی کی صعوبتوں سے دلتنگ

ہو کر ہمت ہار بیٹھتے ہیں اور اپنی پست ہمتی اور نامردی کو فقیری اور عزلت کے پردے میں چھپاتے ہیں۔ اُس نے زینب اور بدنصیب سائرہ کی یتیم لڑکی شاہدہ کو اپنی دلچسپیوں کا مرکز بنالیا اور اُن کے لئے اپنی جائداد (جو اب بہت وسیع تھی) کاروبار میں مصروف ہوگیا۔ جب کبھی اُس کو سائرہ کی یاد آجاتی تھی تو بے اختیار اُسکو وہ شعر یاد آتا تھا جس کو اُس نے اُس روز سائرہ کی زبان سے سُنا تھا:-

دریں بہار نہ شد فرصت آں قدر مارا
کہ ہم ترانہ بلبل کنیم مینا را

سائرہ کی زندگی کا ماحصل یہی تھا۔

مشتاق نے سائرہ کے جذبات کا لحاظ کرکے سائرہ کو کنور کوٹ کے احاطہ میں دفن کرایا تھا۔ اب مشتاق کے لئے کنور کوٹ صرف ایک زیارتگاہ تھی جہاں وہ روزانہ شام کو آکر چند گھنٹے سوز و گداز کے گزار لیتا تھا۔

مولوی روشن علی نے
آسی پریس گورکھپور میں چھپواکر
دفتر ایوان اشاعت گورکھپور سے شایع کیا